

مسلمان کے خون، مال اور عزت کی حرمت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (حجۃ الوداع) کے موقع پر منیٰ میں فرمایا: «أَتَدْرُونَ أَيُّ يَوْمٍ هَذَا؟» «کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہے؟» صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا: «فَإِنَّ هَذَا يَوْمٌ حَرَامٌ - أَتَدْرُونَ أَيُّ بَلَدٍ هَذَا؟» «یہ حرمت والا دن ہے۔ تم جانتے ہو یہ کون سا شہر ہے؟»

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: «بَلَدٌ حَرَامٌ - أَتَدْرُونَ أَيُّ شَهْرٍ هَذَا؟» «یہ حرمت والا شہر ہے۔ تم جانتے ہو یہ کون سا مہینہ ہے؟»

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: «شَهْرٌ حَرَامٌ» «یہ مہینہ حرمت والا ہے۔» قَالَ: «فَإِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا»

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: «يَقِينًا اللَّهُ تَعَالَى» نے تم پر تمہارے خون، مال اور عزت (باہم) اس طرح حرام کیے ہیں (یعنی انھیں محترم ٹھہرایا ہے کہ انھیں پامال نہیں کیا جاسکتا) جس طرح اس نے اس دن کو تمہارے اس مہینے میں، تمہارے اس شہر میں۔

وسیلہ کی حقیقت

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ [المائدة: ۳۵]

”مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کی طرف قرب تلاش کرو۔“

وسیلہ صرف اسی خوش نصیب کے لیے ہے جو محمد ﷺ پر ایمان لاتا، آپ کی اتباع کرتا اور اس ایمان و اتباع کو اللہ تعالیٰ کے ہاں نجات کا ”وسیلہ“ بناتا ہے۔

اور اسی ایمان و اطاعت کے ذریعے وسیلہ تلاش کرنا ہر شخص پر ہر حال میں ظاہر میں، باطن میں فرض ہے، اس کی فرضیت جیسی رسول اللہ ﷺ کی حیات میں تھی ویسی ہی آپ کی وفات کے بعد اب بھی ہے۔ قیام حجت کے بعد مخلوق میں کوئی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں خواہ وہ کیسے ہی حالات میں ہو اور کتنے ہی عذر رکھتا ہو۔ اس کے سوا اللہ کے ہاں عزت پانے، اس کی رحمت حاصل کرنے اور اس کے عذاب سے بچنے کا اور کوئی راستہ نہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مخلوقات کے شافع اور صاحب مقام محمود ہیں کہ جس پر تمام اولین و آخرین رشک کریں گے۔ آپ ﷺ تمام شفعاء سے بلند مرتبہ اور خدا کے حضور میں سب سے زیادہ وجاہت والے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا﴾ ”اور وہ خدا کے نزدیک عزت والا تھا۔“ [الاحزاب: ۶۹] اور مسیح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ ”دنیا اور آخرت میں بڑی عزت والا۔“ [آل عمران: ۴۵]

مگر محمد ﷺ کو جو اعزاز ملا ہے انبیاء و مرسلین علیہم السلام میں سے کسی کو بھی نہیں ملا۔ لیکن آپ کی شفاعت سے صرف وہی لوگ فائدہ پائیں گے جن کے حق میں آپ شفاعت و دعا فرمائیں گے، پس جس کو یہ سعادت میسر آجائے گی وہ آنحضرت ﷺ کی شفاعت و دعا کو خدا تک اسی طرح وسیلہ بنائے گا جس طرح آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم آپ کی دعا و شفاعت کو وسیلہ ٹھہرایا کرتے تھے اور جس طرح قیامت کے روز لوگ آپ کی دعا و شفاعت کو وسیلہ بنائیں گے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم لفظ ”توسل“ کو اسی معنی میں استعمال کرتے تھے۔ پھر آپ ﷺ کی دعا و شفاعت کا وسیلہ صرف مومنین کے لیے مفید ہو سکتا ہے، کفار و منافقین کے لیے شفاعت ہی نہیں۔ اسی لیے آپ ﷺ کو اپنے چچا، باپ اور دوسرے کفار نیز منافقین کے لیے استغفار کرنے سے منع کر دیا گیا تھا۔

[شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (م: ۷۲۸ھ) کتاب الوسیلہ (مترجم)۔ ص: ۲۸، ۲۹]

فہرست

1	مسلمان کے خون، مال اور عزت کی حرمت	جواہر پارے
2	وسیلہ کی حقیقت	کلمہ طیبہ
5	(حافظ احمد شاہ)	اداریہ
7	(ترجمہ: حافظ محمد اعجاز ساقی)	علوم تفسیر
11	(غلام مصطفیٰ ظہیر)	مقام رسالت
21	(ابوالہدیر مولانا ارشاد الحق اثری)	تحقیق و تنقید
28	(مریم خضاء رحمہ اللہ)	تاریخ و ثقافت
32	(ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر)	اصلاح معاشرہ
35	(عبدالعزیز خالد)	شعر و ادب

صلہ رحمی

﴿وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ﴾

[الرعد ۲۴]

”اور جس چیز کے جوڑنے کا اللہ نے حکم فرمایا اس کو وہ جوڑتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب سے بھی ڈرتے ہیں۔“

صلہ رحمی

”لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِي وَلَكِنَّ الْوَاصِلُ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحْمَتُهُ وَصَلَهَا۔“

[صحیح بخاری: ۵۹۹۱]

”نیکی کا بدلہ دینے والا شخص اپنے آپ کو ”صلہ رحمی کرنے والا“ نہیں کہلا سکتا بلکہ درحقیقت صلہ رحمی کرنے والا وہ ہوتا ہے کہ جب اس سے قطع رحمی کا برتاؤ کیا جائے تو پھر بھی وہ اس سے قطع رحمی نہ کرے۔“

23 تا 29 مارچ 2007ء..... (364)..... 3 ربیع الاول 1427ھ

حضرت سعد بن وقاص بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ان کلمات کے پڑھنے کا حکم فرماتے تھے:

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْدَلِ الْعُمَرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا يَعْنِي فِتْنَةَ الدَّجَالِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ» [بخاری: ۶۳۶۵]

”اے اللہ! میں بخل سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور بزدلی سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں اور اس بات سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں کہ ذلیل عمر کی طرف موڑا جاؤں اور دنیا کے فتنے سے یعنی دجال کے فتنے سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں اور قبر کے عذاب سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں۔“

موتُ العالم موتُ العالم

حافظ احمد شاہ

اداریہ

ہفتہ رفتہ کی اندوہناک خبر یہ ہے کہ مولانا عبدالغفار حسن بروز جمعہ المبارک مورخہ ۲ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ بمطابق ۲۲ مارچ ۲۰۰۷ء ایک طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا رحمہ اللہ نے تقریباً تین ماہ کم چرانوے (۹۴) سال عمر پائی جو انھوں نے علمی اور دینی اعتبار سے بھرپور گزاری۔ مولانا کا شجرہ نسب یہ ہے: عبدالغفار بن عبدالستار بن عبدالجبار علیہم الرحمہ۔ مولانا کا آبائی وطن چوں کہ ”عمر پور“ ضلع مظفرنگر یوپی تھا اس نسبت سے ان کے دادا کی شہرت مولانا عبدالجبار عمر پوری کے نام سے تھی۔ آپ کے والد مولانا حافظ عبدالستار، مولانا کے والد کے ماموں عبید الرحمن اور والد کے چچا مولانا ضیاء الرحمن رحمہم اللہ یہ تینوں حضرات میاں صاحب رحمہ اللہ سے فیض یافتہ یعنی ان کے شاگرد تھے۔ مولانا رحمہ اللہ کی ادارت میں کلکتہ سے ”ضیاء السنۃ“ کے نام سے ایک علمی ماہنامہ بھی نکلتا رہا گویا کہ یہ خاندان کم و بیش ڈیڑھ سو سال سے دینی و علمی خدمات سرانجام دے رہا ہے اور یہ بات ہمارے لیے مسرت و انبساط اور خاندان کے لیے سعادت ہے کہ مولانا رحمہ اللہ کی اولاد بفضلہ تعالیٰ اب تک دین و علم ہی کو اپنائے ہوئے ابھی تک دین و علم ہی کی خدمت میں مصروف ہیں۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تانہ بخشہ خدائے بخشندہ

مولانا رحمہ اللہ کی ولادت ۱۹۱۳ء میں ہوئی لیکن ۱۹۱۶ء..... یعنی کہ چار سال کی عمر..... میں ان کے والد اور والدہ دونوں ہی فوت ہو گئے اس کے بعد مولانا کی پرورش و تربیت ان کی دادی مرحومہ ہی نے فرمائی جن کا ۱۹۲۸ء میں انتقال ہوا۔ مولانا رحمہ اللہ نے تعلیمی مدارج دارالہدیٰ دہلی، دارالحدیث کلکتہ اور دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں طے کیے اور ۱۹۳۳ء میں دارالحدیث رحمانیہ سے سند فراغت حاصل کی۔

مولانا رحمہ اللہ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۲ء تک مدرسہ رحمانیہ بنارس ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۸ء تک مالیر کوٹلہ (مشرقی پنجاب) میں تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے غالباً اس عرصہ میں مولانا جماعت اسلامی سے منسلک ہو گئے اور ۱۹۵۷ء میں جماعت اسلامی کے عام انتخابات میں شمولیت سے اختلاف کرتے ہوئے جماعت اسلامی سے اس طرح الگ ہوئے کہ رکنیت تک چھوڑ دی۔ مولانا رحمہ اللہ جماعت اسلامی میں جب تک رہے دل و دماغ کی یکسوئی اور مکمل اخلاص کے ساتھ رہے اور اس کی اتنی خدمت کی کہ اس کا حق ادا کر دیا لیکن جب اس سے الگ ہوئے تو نہ کوئی محاذ بنایا، نہ جماعت بنائی اور نہ ہی کوئی مخالفانہ تحریک چلائی۔ اس دوران مختلف مواقع پر مولانا رحمہ اللہ تین بار جماعت اسلامی کے قائم مقام امیر بھی رہے اور ۱۹۵۳ء کی تحریک کے دنوں گیا رہا ماہ تک جیل میں بھی رہے۔

قیام پاکستان کے بعد مولانا رحمہ اللہ دو سال دارالحدیث رحمانیہ کراچی، ایک سال جامعہ سلفیہ اور دو سال مدرسہ دارالقرآن فیصل آباد میں نو علم حدیث سے تلامذہ کے دل منور کرتے رہے ۱۹۶۴ء میں بغیر کسی درخواست کے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے انھیں بلاوا گیا جہاں وہ سولہ سال (۱۹۶۴ء..... ۱۹۸۰ء) علم حدیث کا فیض پھیلاتے اور دُرُوبیہ کے موتی لٹاتے رہے۔ سعودی عرب میں قیام کے دوران شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے ان کے نیاز مندانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے اور شیخ رحمہ اللہ بھی ان کی ذات گرامی پر خصوصی اعتماد فرماتے تھے۔ جامعہ کے مندوب بن کر دنیا کے مختلف ممالک میں محاضرات کے لیے بھی تشریف لے

جاتے رہے۔ کیوں کہ مولانا رحمہ اللہ کو اردو عربی پر تو عبور تھا ہی انگلش پر بھی قدرت تھی۔ ۱۹۸۰ء میں واپس پاکستان آنے کے بعد انھوں نے اپنے قدیم رفیق و ہمدم مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف کے ساتھ مل کر انہی کی سرپرستی میں جامعہ تعلیمات اسلامیہ فیصل آباد کی بنیاد رکھی..... جو بھمد اللہ اب تک جاری و ساری ہے..... اور وہاں بھی علم حدیث کی شمع فروزاں کرتے رہے دوسری طرف مرحوم جنرل محمد ضیاء الحق ان کو تین مرتبہ تین سال کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل کا رکن بھی نامزد کرتے رہے۔ ۱۹۹۰ء کے بعد مولانا نے مستقلاً قیام اسلام آباد میں رکھا کہ مولانا رحمہ اللہ کی اولاد نے اسلام آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اسلام آباد میں مستقل سکونت کے بعد ان کی تصنیفی و تالیفی حس نے انگریزی کی اور مختلف موضوعات پر بعض مستقل کتب تحریر فرمائیں۔

مولانا رحمہ اللہ کا قدر درمیانہ، مسکراتا چہرہ ذہانت کی غماز چمکتی آنکھیں بہت ہی بیدار مغز، غیر معمولی ذہین، مثالی قوت حافظہ اخذ و استنباط کی صلاحیت سے مالا مال لیکن گفتگو نہایت میٹھی، لہجہ متین، موقف کے مضبوط، دلائل سے مسلح، اس کے اظہار میں نرم خوی کے لیے ڈٹ جانے اور علم و تقویٰ کے آگے جھک جانے والے سراپا متواضع و منکسر المزاج، عمل بالحدیث پر استقامت کی نعمت سے مالا مال لیکن اس پر بحث و تکرار اور تشدد و تصلب سے محترز۔ ساری عمر انھوں نے علم دین ہی کو حریز جاں بنایا اور اگر دلائل سے مطمئن ہو گئے تو اس پر عمل کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔

مولانا رحمہ اللہ حیات دنیوی میں جن سعادتوں سے بہرہ ور ہوئے ان میں سب سے بڑی حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم و تدریس ہے کہ اس سے حضرت مولانا رحمہ اللہ سلسلۃ الذہب کا حصہ بن گئے۔ نیز نبی ﷺ نے فوت ہونے والے مسلمان کے لیے جن صدقات کے جاری رہنے کا ارشاد فرمایا ہمارے علم کی خدمت حضرت موصوف ان سب صفات سے بتوفیقہ تعالیٰ متصف تھے۔

علم نافع: کہ حضرت مولانا نصف صدی سے زیادہ (۱۹۳۶ء تا ۱۹۹۰ء) اس میں مصروف و مشغول رہے۔ اور اس عرصہ میں ان سے ایسے ایسے سلاطین علم نے فیض پایا جو اپنے مقام پر اور اپنے دور میں علم و عمل اور تحقیق و تصنیف کے میدان میں ممتاز تھے۔

اولاد صالح: مولانا رحمہ اللہ کے سات صاحبزادے اور ایک بیٹی ہے۔ ہمارے علم کی حد تک مولانا کی اولاد کی اکثریت دینی علم و عمل سے نہ صرف بہرہ ور بلکہ تعلیم و تدریس اور تبلیغ کے میدان میں مصروف و مشغول ہے۔

①..... محترم شعیب حسن (جو سعودی انٹرنیشنل) سے ریٹائرڈ زندگی گزار رہے ہیں۔

②..... ڈاکٹر صہیب حسن رحمہ اللہ (یہ انگلینڈ میں تبلیغ و تعلیم اسلام میں مصروف ہیں۔)

③..... ڈاکٹر شہیل حسن (ادارہ تحقیقات اسلامی فیصل مسجد اسلام آباد میں مصروف ہیں۔)

④..... احمد حسن (یہ اسلام آباد میں بعض عرب دفاتر سے منسلک ہیں۔)

⑤..... ڈاکٹر راغب حسن (یہ آج کل رابطہ عالم اسلامی کے اسلام آباد دفتر میں ہیں۔)

⑥..... ڈاکٹر خبیب حسن (یہ انٹرنیشنل میں ڈاکٹر ہیں۔)

⑦..... حامد حسن (یہ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔)

انفاق: ہمارے علم کی حد تک مولانا رحمہ اللہ کی جملہ اولاد اس امر خیر سے بہرہ ور ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ مولانا رحمہ اللہ کی زندگی کے مختلف شعبوں اور جہات پر تحقیقی مقالات لکھے جائیں خصوصاً ان کی تصانیف پر، ان کے اسلوب پر اور علم حدیث میں ان کی وسعت نظری پر عربی و اردو میں مقالات لکھے جائیں اور یہ کام ان کے صاحبزادگان حفظہم اللہ تعالیٰ سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔

دعا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ مولانا کی حسنت قبول فرما کر ان کو اعلیٰ علیین میں انبیاء و صلحاء کی رفاقت نصیب فرمائے اور ان کے پسماندگان یعنی ان کی صلیبی اور معنوی اولاد کو توفیق صبر سے نوازے۔ ادارہ الاعتصام مولانا کی بلندی درجات کی دعا اور اولاد و احفاد سے اظہار تعزیت کرتا ہے۔

اللهم اغفر له وارحمه وارفع درجته فی علیین مع النبیین والشہداء والصلحین - آمین

آیت الکرسی

تحریر: فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ

ترجمہ: حافظ ابوبکی محمد اعجاز ساقی

تعالیٰ کا ”علو“ اس کی ذات کو لازم ہے، صفت مشبہ اور اسم فاعل میں فرق یہی ہے کہ اسم فاعل حادث اور ممکن الزوال ہوتا ہے جب کہ صفت مشبہ لازم ہوتی ہے جو اپنے موصوف سے علیحدہ نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کے علو کی دو قسمیں ہیں:

①..... علو ذات، ②..... علو صفات

علو ذات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر ہے، کوئی چیز اس کے اوپر تو کجا اس کے برابر بھی نہیں ہو سکتی۔

علو صفات پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے:

﴿وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَى﴾ [النحل: ۶۰]

”اللہ تعالیٰ کے لیے بلند مثال ہے۔“

یعنی اللہ کی تمام صفات بلند ہیں، ان میں کسی طرح سے کوئی نقص نہیں۔ ”الْعَظِيمُ“ بھی صفت مشبہ ہے، اس کا معنی ہے ”عظمت والا“، عظمت، قوت اور طاقت و بڑائی کو کہتے ہیں جو اس کلمہ کے مدلول میں معروف و واضح ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے پانچ نام ہیں:

① اللہ، ② الحی، ③ القيوم، ④ العلی،

⑤ العظیم۔ اور اللہ تعالیٰ کی ۲۶ صفات کو اپنے اندر سموئے ہوئے

ہے۔ پانچ تو مندرجہ بالا ناموں میں ہی موجود ہیں۔

⑥..... الوہیت میں منفرد ہونا۔

⑦..... اس کی حیات و قیومیت کی وجہ سے اونگھ اور نیند کا نہ آنا۔

⑧..... اس کی ملکیت کا عموم، جو اس جملے سے ثابت ہوتا ہے: ”لَهُ مَا

فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ“۔

﴿وَبِشَاسِ كُرْسِيِّهِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾

”اس کی کرسی آسمان و زمین پر حاوی ہے۔“

”وَبِشَاسِ“ بمعنی ”شامل ہو گیا“، یعنی اس کی کرسی آسمان و زمین کو محیط ہے اور ان سے بڑی ہے، کیوں کہ اگر یہ ان تمام سے بڑی نہ ہوگی تو ان پر حاوی نہ ہو سکے گی۔ ”الکرسی“ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کے بارے فرماتے ہیں:

”یہ اللہ تعالیٰ کے دونوں قدموں والی جگہ ہے۔“

[مستدرک حاکم: ۲/ ۲۸۳]

یہ عرش نہیں ہے، عرش تو کرسی سے بھی بڑا ہے۔ نبی ﷺ کا

فرمان ہے:

”ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں کرسی کی بہ نسبت ایک چھلے

کی مانند ہیں، جو کسی جنگل میں پھینک دیا گیا ہو، اسی طرح

کرسی پر عرش کی فضیلت ایسی ہے، جیسے اس چھلے پر اس جنگل

کی۔“ [ابن کثیر: ۱/ ۶۱۴]

یہ حدیث ان چیزوں کی عظمت کا پتا دیتی ہے اور مخلوق کی عظمت، خالق کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔

﴿وَلَا يُدُّهُ حِفْظُهُمَا﴾

”اس کو ان دونوں کی حفاظت تھکاوٹ میں مبتلا نہیں کرتی۔“

یہ سب صفات منفیہ ہیں اور جس صفت ثبوتیہ پر نفی دلالت کرتی

ہے، وہ کمال قدرت، علم، قوت اور رحمت ہے۔

﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾

”الْعَلِيُّ“ فَعِيلٌ کا وزن ہے، یہ صفت مشبہ ہے، کیوں کہ اللہ

⑨..... بادشاہت میں اللہ کا منفرد ہونا مذکورہ جملے (لہ.....) میں خبر کی تقدیم سے ہم نے یہ اخذ کیا ہے۔

⑩..... بادشاہت کی قوت اور کمال ”مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ“

⑪..... اس کے پاس ہونے کا ثبوت، اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ بذاتہ ہر جگہ کے اندر موجود نہیں ہے، اس میں حلوٰیہ کا رد ہے۔

⑫..... اللہ کے اذن کا اثبات ”إِلَّا بِإِذْنِهِ“

⑬..... اللہ تعالیٰ کے علم کا عموم ”يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ“

⑭، ⑮..... اللہ تعالیٰ ماضی ”مَا خَلْفَهُمْ“ اور مستقبل ”مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ“ سے غافل نہیں۔

⑯..... اللہ کی عظمت کا کمال، کیوں کہ مخلوق اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔

⑰..... اللہ کی مشیت کا اثبات ”إِلَّا بِمَا شَاءَ“

⑱..... کرسی کا اثبات، اور کرسی ”مَوْضِعُ الْقَدَمَيْنِ“ ہے۔

⑲، ⑳، ㉑..... اللہ کی عظمت، قوت اور قدرت کا اثبات ”وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ“

㉒، ㉓، ㉔..... اس کے علم، رحمت اور حفاظت کی کاملیت ”وَلَا يَؤُودُهُ حِفْظُهُمَا“

㉕..... اللہ تعالیٰ کے علو کا اثبات ”وَهُوَ الْعَلِيُّ“

اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ بلند ہے، اور اس کی بلندی اس کی ذاتی، ازلی اور ابدی صفات کی وجہ سے ہے۔

اس بارے میں دو گروہوں نے اہل سنت والجماعت کی مخالفت کی ہے، ایک گروہ کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے، اور دوسرے گروہ نے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نہ کائنات کے اوپر ہے نہ نیچے، نہ جہاں کے اندر، نہ دائیں نہ بائیں، نہ کائنات سے متصل اور نہ اس سے منفصل۔

جن لوگوں نے اللہ کی ذات کو ہر جگہ موجود قرار دیا، ان کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَى مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرُ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا﴾ [المجادلة: 7]

”جہاں بھی تین آدمی سرگوشی کرتے ہیں، وہاں تیسرا اللہ ہوتا ہے، جہاں پانچ سرگوشی کرتے ہیں، وہاں چھٹا اللہ ہوتا ہے، اس سے کم ہوں یا زیادہ، اللہ ان کے ساتھ ہی ہوتا ہے، جہاں بھی وہ ہوں۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی انھوں نے دلیل تراشنے کی کوشش کی ہے:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ط يَعْلَمُ مَا يَلْجِ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ط وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾

”اللہ وہی ذات ہے، جس نے زمین و آسمان کو سات دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر مستوی ہوا، جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے، جو کچھ اس سے نکلتا ہے، جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے، وہ اسے جانتا ہے، وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی تم ہوتے ہو، اللہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔“ [الحديد: 4]

اس کے پیش نظر ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات بلند نہیں بلکہ ”علو“ سے مراد صفات کی بلندی ہے۔

جن لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ کی کوئی جہت قرار نہیں دی جاسکتی، ان کا خیال ہے کہ اگر ہم نے اسے جہت کے ساتھ موصوف کر دیا تو اللہ کا جسم لازم آئے گا اور تمام جسم تو باہم ایک جیسے ہیں، اس سے تمثیل لازم آئے گی، اسی وجہ سے ہم اللہ تعالیٰ کی جہت کا انکار کرتے ہیں۔

ہم ان دونوں گمراہ فرقوں کا رد دو طریقوں سے کریں گے:

①..... ان کی دلیلوں کو باطل قرار دیں گے۔

②..... قطعی دلائل سے ان کا رد پیش کریں گے۔

①.....تعدد یا اجزاء لازم آئیں گے، یہ لازم بلا شک و شبہ باطل ہے اور لازم کا بطلان ملزوم کے بطلان پر دلالت کرتا ہے۔

②.....جب آپ کہیں گے کہ اللہ آپ کے ساتھ کئی جگہوں میں ہے، تو لازم آئے گا کہ وہ لوگوں کی زیادتی کی وجہ سے زیادہ اور کمی کی وجہ سے کم ہو جائے۔

③.....آپ پر یہ لازم آئے گا کہ آپ اللہ کو گندگی والی جگہوں سے پاک نہیں سمجھتے، جب آپ کہیں گے کہ اللہ آپ کے ساتھ ہے، حالاں کہ آپ بیت الخلاء میں ہوں، تو اس سے بڑی اللہ کی گستاخی کوئی نہیں۔ اس بحث سے ثابت ہو گیا ہے کہ ان کی بات نقل اور عقل دونوں کے خلاف ہے، قرآن کریم سے کبھی بھی کسی طرح بھی یہ دلیل مترشح نہیں ہوتی، نہ مطابقتی، نہ تضامنی اور نہ التزامی۔

دوسرا طریقہ

دوسروں سے ہم کہیں گے:

①.....جہت کی نفی سے تو اللہ رب العزت کی نفی لازم آ جاتی ہے، کیوں کہ ہم سوائے عدم کے اور کسی ایسی چیز سے واقف نہیں ہونے کا نکتہ کے اوپر ہونے نیچے، نہ دائیں ہونے بائیں، اور نہ متصل ہونے منفصل۔ اسی لیے بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر ہمیں کہا جائے کہ اللہ کو ”عدم“ سے موصوف کرو، تو ہمیں عدم کے لیے جہت کی نفی سے زیادہ موزوں الفاظ نہیں ملیں گے۔

②.....تمہارا یہ اعتراض کہ جہت کے اثبات سے تجسیم لازم آئے گی، ہم اسی کلمہ جسم کے بارے میں تم سے بحث کریں گے: وہ جسم کیسا ہے جس کی وجہ سے آپ لوگوں کو اللہ کی صفات کے اثبات سے دور کر رہے ہیں؟

کیا جسم سے آپ کی مراد وہ چیز ہے جو مختلف چیزوں سے مل کر وجود میں آتی ہے، ان کے اجزاء کے ملنے کے بغیر وہ چیز قائم نہیں رہ سکتی؟ اگر آپ کی یہ مراد ہے تو اس کو ہم بھی ثابت نہیں کرتے، ہم بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ایسا جسم نہیں ہے، لیکن جو شخص کہتا ہے کہ اللہ

جو لوگ اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ مانتے ہیں، ہم ان سے کہتے ہیں کہ تمہارا یہ دعویٰ باطل ہے، نفی و عقلی دونوں طرح کے دلائل اس کی تردید کرتے ہیں۔

نقلی دلائل: اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے علو ثابت کیا ہے اور جس آیت سے تم لوگوں نے استدلال کیا ہے، وہ تو اس باطل دعویٰ پر دلالت ہی نہیں کرتی، کیوں کہ معیت سے حلول فی المکان لازم نہیں آتا، کیا تم نے عربوں کے اقوال نہیں پڑھے:

الْقَمَرُ مَعَنَا، حالاں کہ اس کی جگہ تو آسمان میں ہے۔ زَوْجِي مَعِيَ، حالاں کہ وہ مشرق میں ہوتا ہے، اور اس کی بیوی مغرب میں۔ اسی طرح آرمی آفیسر فوج سے کہتا ہے: تم میدان جنگ میں جاؤ، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ حالاں کہ آفیسر کمانڈ روم میں ہوتا ہے اور فوج میدان جنگ میں، لہذا معیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ساتھ والا آدمی ہمیشہ ساتھی کی جگہ میں ہو، بلکہ مضاف الیہ کے اعتبار سے معیت کا معنی معین کیا جاسکتا ہے، کبھی ہم کہہ دیتے ہیں: هَذَا كَبْنٌ مَعَهُ مَاءٌ، جب کہ یہ معیت تو اختلاط کا تقاضا کرتی ہے۔

آدمی کہتا ہے: مَتَاعِي مَعِيَ، حالاں کہ وہ اس کے گھر میں اس سے دور پڑا ہوتا ہے، کبھی وہ سامان کو اٹھائے ہوئے کہتا ہے، مَتَاعِي مَعِيَ، اس صورت میں وہ اس کے ساتھ متصل ہوتا ہے۔

یہ ایک ہی کلمہ ہے، لیکن اضافت کے بدلنے سے اس کے معانی بھی بدلتے رہتے ہیں، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوقات سے معیت اسی طرح ہے، جیسے اس کے شایان شان ہے۔ جیسا کہ باقی صفات ہیں۔ یہ معیت مکمل اور حقیقی ہے، لیکن اللہ آسمانوں کے اوپر ہے۔

عقلی دلائل: ان کے قول کے بطلان پر عقلی دلیل یہ ہے کہ ہم کہیں گے: جب آپ یہ دعویٰ کریں گے کہ اللہ آپ کے ساتھ ہر جگہ ہے، تو اس سے کئی باطل لوازم لازم آئیں گے:

تعالیٰ کی صفات علو کا اثبات سے ایسا جسم ثابت ہوتا ہے، اس کی بات خالی دعویٰ ہے، ہم اسی بات پر اکتفا کریں گے کہ ہم اس دعویٰ کو قبول نہیں کرتے، ہاں اگر آپ کی مراد ایسا جسم ہے جو بذات خود قائم اور اپنے شایان شان صفات سے متصف ہے، تو ہم کھلم کھلا اس کا اثبات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ایک ذات ہے، جو بذات خود قائم اور باکمال صفات سے متصف ہے، یہی وہ بات ہے، جسے ہر شخص جانتا ہے۔

ان واضح دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ ثابت کرنے والے اور اللہ کے لیے جہت ثابت نہ کرنے والے، دونوں فریقوں کا دعویٰ باطل ہے، ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔ اب رہے وہ دلائل جن سے دونوں فریقوں کا رد اور اہل سنت والجماعت کا موقف ثابت ہوتا ہے، تو وہ بے شمار ہیں، ان دلائل کی پانچ اقسام ہیں:

①..... قرآن کریم، ②..... سنت رسول، ③..... اجماع، ④..... عقل، ⑤..... فطرت۔

قرآن کریم: اس میں اللہ تعالیٰ کے علو پر مختلف دلائل ہیں، ان میں علو، فوقیت، اس کی طرف اشیاء کا چڑھنا، اس کی طرف سے چیزوں کا اترنا وغیرہ، صراحت سے موجود ہیں۔

سنت رسول: اس میں بھی مختلف دلائل ہیں، حدیث کی تینوں اقسام سے علو ثابت ہے، قولی، فعلی اور تقریری۔

اجماع: ان گمرافرقوں کے ظہور سے پہلے تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع تھا کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے۔

✽..... شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ، اس کے رسول، صحابہ اور تابعین کے اقوال سے کوئی نص یا واضح بات نہیں جو یہ ثابت کرے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر یا آسمانوں کے اوپر نہیں ہے، بلکہ ان کی تمام باتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر ہے۔“ [العقيدة الواسطية]

ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر ہے۔“ [العقيدة الواسطية]

30 مارچ تا 5 اپریل 2007ء..... (406)..... 10 ربیع الاول 1428ھ

عقل: ہم کہتے ہیں کہ ہر شخص اس بات کو جانتا ہے کہ علو صفت کمال ہے، لہذا ضروری ہے کہ یہ اللہ کے لیے ثابت ہو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ تمام صفات کمال سے متصف ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں: تین ہی صورتیں ہیں کہ یا تو اللہ تعالیٰ اوپر ہوگا یا نیچے ہوگا یا پھر برابر، نیچے اور برابر ہونا تو ممنوع ہے، کیوں کہ نیچے ہونے میں معنوی نقص ہے اور برابر ہونے سے مخلوق کے ساتھ مشابہت و مماثلت لازم آئے گی، اب صرف علو باقی رہ گیا ہے، یہ دوسری دلیل ہے۔

فطرت: ہم کہتے ہیں کہ جو بھی انسان زبان سے یا رُبَّ ”اے میرے رب“ کہتا ہے، اس کے دل میں اوپر کا تصور موجود ہوتا ہے۔ لہذا یہ پانچوں دلائل باہم موافق ہیں۔ اب رہا اللہ کی صفات کی بلندی کا معاملہ، تو اس میں ہر وہ شخص متفق ہے جو دین اسلام کو قبول کرتا ہے یا اسلام کا نام لیتا ہے۔

②..... اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اثبات: ”الْعَظِيمُ“
شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”جو شخص اس آیت (آیت الکرسی) کورات کے وقت تلاوت کرے گا، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نگہبان (فرشتہ) مقرر کر دیا جائے گا اور صبح تک شیطان اس کے قریب تک نہ پھٹک سکے گا۔“

در اصل یہ صحیح بخاری کی ایک روایت کی طرف اشارہ ہے جس میں رسول اکرم ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مال صدقہ کی حفاظت پر مامور فرمایا، شیطان نے کچھ مال اٹھا لیا، بعد میں اس نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رات کو آیت الکرسی پڑھ کر بستر میں داخل ہوا کر، اللہ کی طرف سے صبح تک تجھ پر ایک نگہبان فرشتہ رہا کرے گا اور شیطان تیرے قریب بھی نہ آ سکے گا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ قصہ نبی ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ ہے تو جھوٹا، لیکن تجھ سے سچ بول گیا ہے۔“ [صحیح البخاری: ۳۱/۱، رقم: ۲۳۱۱ معلقا، السنن الکبریٰ للنسائی: ۶/۲۳۷، ۲۳۸، رقم: ۱۷۹۴ سندہ حسن۔ مترجم]

البخاری: ۳۱/۱، رقم: ۲۳۱۱ معلقا، السنن الکبریٰ للنسائی: ۶/۲۳۷، ۲۳۸، رقم: ۱۷۹۴ سندہ حسن۔ مترجم]

۲۳۷، ۲۳۸، رقم: ۱۷۹۴ سندہ حسن۔ مترجم]

۲۳۷، ۲۳۸، رقم: ۱۷۹۴ سندہ حسن۔ مترجم]

۲۳۷، ۲۳۸، رقم: ۱۷۹۴ سندہ حسن۔ مترجم]

۲۳۷، ۲۳۸، رقم: ۱۷۹۴ سندہ حسن۔ مترجم]

۲۳۷، ۲۳۸، رقم: ۱۷۹۴ سندہ حسن۔ مترجم]

رسول اللہ ﷺ کا یوم پیدائش اور

مروجہ جشن عید میلاد النبی ﷺ

تحقیق و ترتیب: غلام مصطفیٰ ظہیر، امن پوری

عید میلاد کی شرعی حیثیت

مروجہ جشن عید میلاد النبی ﷺ کا قرآن و حدیث میں کوئی اصل نہیں ہے، نبی کے یوم ولادت کو یوم عید قرار دینا عیسائیوں کا وطیرہ ہے، مروجہ عید میلاد النبی ﷺ عید میلاد عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہے اور بدعت سیئہ ہے، جب کہ کفار کی مشابہت اور ان کی رسومات پر عمل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

عید میلاد کی تاریخی حیثیت

عید میلاد النبی ﷺ کا نبی کریم ﷺ، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رضی اللہ عنہم، ائمہ دین رضی اللہ عنہم، اور سلف صالحین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں وجود نہیں ملتا، بلکہ یہ بعد کی ایجاد ہے۔

مروجہ عید میلاد النبی ﷺ کی ابتدا چوتھی صدی ہجری کے آخر میں ہوئی، سب سے پہلے مصر میں نام نہاد فاطمی شیعوں نے یہ جشن منایا، یہ سال میں کل ۲۸ عیدیں مناتے تھے اور جن میں سے چھ عیدوں کا تعلق شخصیات کے یوم ولادت سے تھا، ان میں سے ایک عید ہمارے نبی کریم ﷺ کے حصہ میں آئی جو کہ آپ ﷺ کے یوم ولادت کو مناتے تھے۔“ [الخطط للمقریزی المتوفی ۵۸۴ھ، ج: ۱، ص: ۴۳۲،

[۴۹۰، ۴۳۳]

فاطمی شیعہ دراصل یہودی تھے، انھوں نے رافضیت کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا، ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

”هُم قَوْمٌ يُظْهِرُونَ الرِّفْضَ وَيُبْطِنُونَ الْكُفْرَ“

المُحْضَصُ - [كتاب الرد على المنطقيين، ص: ۱۴۲] یعنی ”یہ لوگ رافضیت کا اظہار کرتے لیکن باطن میں کفر محض رکھتے تھے۔“

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ”یہ کافر، فاسق، فاجر، ملحد، زندیق، معطل اور منکر اسلام تھے، مجوسی اور شوی مذہب کے معتقد تھے، انھوں نے حدود کو پامال کیا، زنا کو جائز، شراب اور خون ریزی کو حلال قرار دیا تھا، یہ انبیائے کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتے، اور سلف صالحین پر لعن طعن کرتے تھے، اور انھوں نے ربوبیت کا بھی دعویٰ کیا تھا، قاضی باقلانی رحمہ اللہ نے ان کے رد میں ”کشف الاسرار وھتک الاستار“ نامی کتاب لکھی، جس میں ان کے فضائح و قبائح کا ذکر کیا ہے۔“ [البدایہ والنہایہ، ج: ۱۱، ص: ۳۴۶]

آگے چل کر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”فاطمی غنی خلفاء تھے، ان کے ہاں مال کی کثرت تھی، یہ بڑے جابر اور ظالم تھے، ان کے ظاہر و باطن میں نجاست و خباثت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، ان کے دور حکومت میں بدعات و منکرات ظہور پذیر ہوئیں، اہل فساد بڑھ گئے، صالحین رحمہ اللہ میں سے علماء اور عبادت گزاروں میں کمی واقع ہو گئی۔“

[البدایہ والنہایہ، ج: ۱۲، ص: ۲۶۷]

بالآخر ۵۶۴ھ میں صلاح الدین یوسف بن ایوب بن شادی نے

مصر پر چڑھائی کی اور ۵۶۸ھ تک ان کے وجود کا قلع قمع کر دیا۔

[البدایہ والنہایہ، ج: ۱۲، ص: ۲۵۵ و ۲۷۱]

احمد یار خان نعیمی بریلوی صاحب نقل کرتے ہیں:

”لَمْ يَفْعَلْهُ أَحَدٌ مِنَ الْقُرُونِ الثَّلَاثَةِ إِنَّمَا حَدَثَ

بَعْدُ“ [جاء الحق، ج: ۱، ص: ۲۳۶]

”میلاد شریف تینوں زمانوں میں کسی نے نہ کیا، بعد میں

ایجاد ہوا۔“

اربل میں عید میلاد کا موجد

اربل میں عید میلاد کی ابتدا ساتویں صدی کے آغاز ۶۰ھ میں ابوسعید کوکبوری بن ابی الحسن علی بن یکتین بن محمد الملقب بالملک المعظم مظفر الدین اربل نے کی تھی۔

احمد یار خان نعیمی تفسیر روح البیان میں سورۃ فتح کی آیت کے تحت ابن جریر شمی مبتدع کا قول بلا تردید نقل کرتے ہیں:

”و اول من احدثه من المملوك صاحب اربل

وصنف له ابن دحية كتابا في المولد فاجازه بالف

دينار“ [جاء الحق، ج: ۱، ص: ۲۳۶-۲۳۷]

یعنی ”جس بادشاہ نے پہلے اس کو ایجاد کیا وہ شاہ اربل ہے، اور ابن دحیہ نے اس کے لیے میلاد شریف کی ایک کتاب لکھی جس پر بادشاہ نے اس کو ایک ہزار اشرفیاں نذر کیں۔“

اب آپ خود فیصلہ کریں جو کام چھٹی صدی میں ایک بے دین بادشاہ نے جاری کیا ہو، اس کی شرعی حیثیت کیا باقی رہ جاتی ہے؟

اس بادشاہ کے متعلق احمد بن محمد مصری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”وہ ایک فضول خرچ بادشاہ تھا، میلاد منایا کرتا تھا، وہ سب

سے پہلا شخص تھا جس نے یہ کام شروع کیا۔“

[القول المعتمد فی عمل المولد]

اس کی خرافات اور اسراف و تبذیر کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے

”تاریخ ابن خلکان“ تاریخ اربل لابن المستوفی التونی ۶۳۸ھ اور

”البدایہ والنہایہ لابن کثیر“ کی طرف رجوع کریں۔

اس وقت اس بادشاہ کی تائید ایک بدعتی عالم عمر بن دحیہ (۵۴۶ھ۔

۶۳۳ھ) نے کی۔

①..... حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

”یہ جھوٹا شخص تھا، لوگوں نے اس کی روایت پر اعتماد کرنا چھوڑ

دیا تھا، اور اس کی بہت زیادہ تذلیل کی تھی۔“

[البدایہ والنہایہ، ج: ۱۳، ص: ۱۴۴]

②..... حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

”یہ بہت جھوٹا شخص تھا، احادیث خود گھڑ کر انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرف منسوب کر دیتا تھا، سلف صالحین کے خلاف بدزبانی

کیا کرتا تھا۔“ [لسان المیزان، ج: ۴، ص: ۲۹۶] حافظ نے

اس کا ایک جھوٹا واقعہ بھی نقل کیا ہے۔

③..... حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”يلجأون الى اقامة دليل على ما افتوا به بأرائهم

فيضعون وقيل ان الحافظ ابا الخطاب بن دحية

كان يفعل ذلك وكانه الذي وضع الحديث في

قصر المغرب۔“

یعنی ”جو لوگ اپنی آراء کے مطابق فتویٰ دیتے تھے، جب ان کو

دلیل پیش کرنے پر مجبور کیا جاتا تو وہ جھوٹی احادیث گھڑ لیتے،

کہا گیا ہے کہ حافظ ابو خطاب بن دحیہ بھی ایسا ہی کرتا تھا، نماز

مغرب کی قصر کے بارے میں اسی نے حدیث گھڑی ہے۔“

[تدريب الراوى، ج: ۱، ص: ۲۸۶]

اس نے بدعت کے ثبوت پر ”التنوير في مولد السراج المنير“

کتاب لکھ کر ایک ہزار دینار انعام پایا۔ [البدایہ والنہایہ، ج: ۱۳،

ص: ۱۳۷، ۱۴۵ تاریخ اربل، تاریخ ابن خلکان]

برصغیر میں جشن عید میلاد کی ابتدا

مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ہندوستان میں جہاں اور بہت سی بدعتیں فتوحات اسلامیہ کے بعد آئیں، محفل میلاد بھی اپنے تمام لوازم کے ساتھ سارے ملک میں چھا گئی، جاہل ملاؤں اور خود غرض سیدوں نے اس کی نزاکت شان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس بدعت کو خوب ہوا دی، قرآنی آیات کی تحریف اور ترمیم کر کے احادیث کے عموماً کو غلط موقع پر محمول کرتے ہوئے، اس کے جواز کی کوشش کی گئی، محبت رسول ﷺ کا نام لے کر جذبات کو اس قدر اچھالا گیا کہ یہ رسم ایک میلہ اور ہنگامہ و تماشہ بن کر رہ گئی۔“ [ہفت روزہ الاعتصام ۶ جنوری ۱۹۵۰ء]

اور بی بی سی نے اپنی ریڈیو نشریات میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ”برصغیر میں محافل میلاد کا آغاز اکبر اعظم کے زمانے میں ہوا، اور کراچی میں جلوس نکالنے کی روایت سو سال پرانی ہے۔“

[روزنامہ جنگ لاہور ۹ جولائی ۱۹۹۸ء]

واضح رہے کہ مروجہ عید میلاد النبی ﷺ کا دین اسلام میں اضافہ کیا گیا ہے، اسی لیے تو ہم نے اس کو بدعت سیئہ قرار دیا ہے۔

بدعت کی تعریف

①..... محقق شاطبی رحمہ اللہ بدعت کی تعریف یوں کرتے ہیں:

”طريقة في الدين مخترعة تضاهي الشرعية يقصد بالسلوك عليها المبالغة في التعبد لله سبحانه -“ [الاعتصام للشاطبي، ج: ۱، ص: ۳۷]

”بدعت دین میں ایجاد شدہ طریقہ کو کہتے ہیں جو شریعت کے مشابہ ہو اس پر عمل کرنے کی غرض عبادت الہی میں مبالغہ ہو۔“

②..... حنفی فقہاء بدعت کی یہ تعریف کرتے ہیں:

”ما احدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله ﷺ من علم او عمل او حال بنوع شبهة او استحسان و جعل ديناً قوياً و صراطاً مستقيماً -“ [البحر الرائق از ابن نجيم حنفی، ج: ۱، ص: ۳۴۹-رد

المختار، ج: ۱، ص: ۵۲۴ مراقی الفلاح از شرنبلالی حنفی، ص: ۱۸۱، شرح النقایہ از ملا علی قاری حنفی، ج: ۱، ص: ۱۹۴]

”نبی کریم ﷺ سے حاصل شدہ کسی علم یا عمل یا حالت کے خلاف کسی چیز کو پیدا کر لینے کو بدعت کہتے ہیں، جسے دین کا قوی حصہ اور صراطِ مستقیم سمجھ لیا جائے جس کے احداث کی وجہ دلائل میں کوئی شبہ یا استحسان ہو۔“

③..... علامہ عینی حنفی بدعت کی تعریف یوں کرتے ہیں:

”بدعة وهي ما لم يكن له اصل في الكتاب والسنة وقيل اظهار شيء لم يكن في عهد رسول الله ﷺ ولا في زمن الصحابة رضي الله عنهم -“

”بدعت دین میں ہر اس نئے کام کو کہتے ہیں، جس کا اصل کتاب و سنت میں نہ ہو اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ”جس چیز کا اظہار نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں نہ ہوا ہو۔“ [عمدة القاری فی شرح صحيح البخاری، ج: ۲۵، ص: ۳۷]

اور یہی علامہ عینی حنفی ہدایہ کی شرح میں یہ تعریف کرتے ہیں:

”والبدعة اسم لاحداث امر لم يكن في زمان رسول الله ﷺ -“ [البنایہ فی شرح الهدایہ، ج: ۲، ص: ۳۱۹]

”بدعت دین میں ایسے ایجاد شدہ کام کو کہتے ہیں، جس کا اصل رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نہ ہو۔“

مذکور بالا تعریفات کی روشنی میں دیکھا جائے تو مروجہ عید میلاد النبی ﷺ بدعت ٹھہرتی ہے۔

بدعت کی تقسیم

پھر بدعت کی تقسیم کا سہارا لے کر عید میلاد کو بدعت حسنہ قرار دیتے ہیں (بدعتیوں کے اس اعتراف سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مروجہ بدعت کا وجود نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں نہ تھا) جب کہ ہر بدعت سیئہ

اور مذمومہ ہے، جن علماء نے بدعت کو حسنہ اور سیئہ میں تقسیم کیا ہے، انھوں نے بدعت سے مراد اس کا لغوی معنی لیا ہے، اور جنھوں نے ہر بدعت کو گمراہی قرار دیا ہے انھوں نے شرعی معنی مراد لیا ہے۔

حافظ محمد محدث گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

”ہر بدعت مذمومہ ہے، کیوں کہ جن نصوص میں بدعات کی مذمت وارد ہوئی ہے، وہ عام ہیں، ان میں کوئی تخصیص نہیں، سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم، صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور اس کے بعد ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کا اس بات پر تقریباً اجماع ہے، ان سے تخصیص اور تقسیم ثابت نہیں، بعض علماء سے جو تخصیص کا لفظ آیا ہے ان کے نزدیک بھی حقیقت میں اس مفہوم کی تقسیم نہیں، جس کو سلف صالحین بدعت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں اور جس امر کو ان علماء نے بدعت حسنہ کہا ہے، وہ امر دراصل محقق مذہب میں بدعت نہیں اور جس امر کو بدعت سیئہ یا بدعت ضلالت کہا ہے، وہی حقیقت میں بدعت کا شرعی مصداق ہے۔

فتح الباری میں ہے:

”البدعة في الشرع مذمومة بخلاف اللغة۔“

[الاصلاح، ص: ۶۰ حصہ دوم]

”شریعت میں جسے بدعت کہا جاتا ہے وہ مذموم ہے، جب کہ لغوی معنی کے اعتبار سے ہر بدعت مذموم نہیں۔“

احادیث کی روشنی میں

①..... ہر بدعت مذمومہ ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «كُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ» یعنی ”ہر بدعت گمراہی ہے۔“ [صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، رقم: ۸۶۷]

②..... ایک دوسری حدیث میں فرمایا:

«مَنْ صَنَعَ أَمْرًا عَلَى غَيْرِ أَمْرِنَا فَهُوَ رَدٌّ» [ابوداؤد،

کتاب السنة باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۶]

”جو شخص کوئی کام ہمارے حکم کے مطابق نہ کرے وہ مردود ہے۔“

③..... نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»

”جو شخص ہمارے اس دین میں ایسی چیز نکالے جس کا وجود اس میں نہ ہو وہ مردود ہے۔“ [صحیح بخاری، رقم: ۲۶۹۷،

صحیح مسلم، رقم: ۱۷۱۸]

④..... سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”كُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَإِنْ رَأَاهَا النَّاسُ حَسَنَةً۔“

”ہر بدعت گمراہی ہے، خواہ لوگ اس کو حسنہ ہی قرار کیوں نہ

دیں۔“ [السنة لمحمد بن نصر المروزی، ص: ۲۹، واسنادہ

صحیح]

ان احادیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ ہر بدعت مذمومہ اور ضلالت ہے، دین میں نئے نئے کام جاری کرنا یہ اہل کتاب، یہود و نصاریٰ کا شیوہ ہے۔ ہر بدعت اللہ تعالیٰ پر بہتان اور جھوٹ ہے، ہر بدعت کا منشاء دین میں غلو ہے۔

علماء کے اقوال

①..... امیر صنعانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ليس في البدعة ما يمدح بل كل بدعة ضلالة“

”کوئی بھی بدعت قابل مدح نہیں بلکہ ہر بدعت گمراہی و

ضلالت ہے۔“ [سبل السلام، ج: ۲، ص: ۱۲۰۱]

②..... محقق شاطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”قال ابن الماجشون: سمعت مالكا يقول: من

ابتدع في الاسلام بدعة يراها حسنة، فقد زعم ان

محمداً خان الرسالة، لان الله يقول: ﴿اليوم

اكملت لكم دينكم﴾..... فمالم يكن يومئذ دينا فلا

يكون اليوم ديناً۔“

”امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ابن ماجشون رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بات فرماتے ہوئے سنا کہ جس

نے دین اسلام میں بدعت ایجاد کر کے اس کو بدعت حسنہ قرار

دیا گویا کہ اس نے حضرت محمد ﷺ کو تبلیغ رسالت میں خائن سمجھا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ”آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے“، لہذا جو کام اس وقت دین میں نہ تھا، وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتا۔“

[الاعتصام للشاطبی، ج: ۱، ص: ۷۹]

⑤..... شیخ علی محفوظ اپنی کتاب میں ملا احمد رومی حنفی کا قول ان کی کتاب ”مجالس الابرا“ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

”فمن احدث شیئاً یتقرب به الی اللہ تعالیٰ من قول أو فعل، فقد شرع من الدین مالم یأذن به اللہ، فعلم ان کل بدعة من العبادات الدینیة لا تكون الا سیئة۔“

”جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے تقرب کے حصول کے لیے دین میں کوئی نئی بات یا کام جاری کر دیا گویا کہ اس نے دین میں وہ چیز داخل کر دی، جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے، یہ بات معلوم شدہ ہے کہ ہر بدعت جس کا تعلق دینی عبادات سے ہو وہ بدعت سیئہ ہے۔“ [الابداع فی مضار الابتداع، ص: ۳۰]

⑥..... مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی حنفی (متوفی ۱۰۳۴ھ) نے خواجہ عبدالرحمن مفتی کابل کو سنت کی پیروی اور بدعت سے پرہیز کرنے اور ہر بدعت کے سیدہ ہونے میں لکھا ہے۔ آپ کا مکتوب فارسی میں ہے، اس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے، فرماتے ہیں: ”بندہ حق سبحانہ تعالیٰ سے عاجزی، انکساری، زاری اور محتاجی سے پوشیدہ اور ظاہر سوال کرتا ہے کہ جو چیز دین میں نئی اور بدعت نکال لی گئی، جو خیر البشر اور خلفاء علیہم علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے زمانہ میں نہ تھی، اگرچہ اس کی روشنی صبح صادق کی طرح ہو، اس ضعیف اور اس کے ساتھ علاقہ رکھنے والوں کو اس نئی بات میں گرفتار نہ کرے اور اس بدعت کے فتنہ میں نہ ڈالے۔“

لوگ کہتے ہیں کہ بدعت دو قسم پر ہے حسنہ اور سیئہ، حسنہ اس نیک کام کو کہتے ہیں، جو نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین علیہم علیہم

الصلوات اتہا والتقیات اکملہا کے زمانہ کے بعد ہوئی، یہ سنت کی رافع نہیں، اور سیئہ وہ ہے جو سنت کو اٹھائے۔

یہ فقیر احمد سرہندی کسی بدعت میں خوبی اور روشنی مشاہدہ نہیں کرتا، صرف تاریکی اور گندگی محسوس کرتا ہے، اگر بالفرض بدعت کا کام آج کے دن بینائی کی کمزوری سے تروتازہ نظر آئے، قیامت کے دن جب لوگ تیز نظر ہو جائیں گے، اس وقت معلوم کریں گے، کہ سوائے پشیمانی اور نقصان کے کچھ نتیجہ نہ تھا۔

وقت صبح شود ہچو روز معلومت
کہ باکہ باختہ عشق در شب دیہور
سید البشر ﷺ فرماتے ہیں:

«مَنْ أَحْدَثَ فِیْ أَمْرِ نَا هَذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»

”جو شخص اس دین میں نئی بات نکالے وہ مردود ہے۔“

جو چیز مردود ہو اس میں خوبی کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ (اس کے بعد دو حدیثیں جو بدعت کے رد میں وارد ہوئی ہیں) لکھ کر فرماتے ہیں، جس وقت ہر نئی بات بدعت ہوئی اور ہر بدعت گمراہی پس بدعت میں خوبی کہاں سے آئی؟ حدیث سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر بدعت سنت کو مٹانے والی ہے، کسی خاص بدعت کی خصوصیت نہیں، پس ہر بدعت سیئہ ہوئی، بعض بدعات جن کو بعض لوگ ”حسنہ“ جانتے ہیں، جب اچھی طرح غور کیا جائے تو وہ بھی سنت کو اٹھانے والی ہیں، مثلاً میت کو عمامہ باندھنا ”بدعت حسنہ“ کہتے ہیں اور یہ بھی بدعت سنت کو مٹانے والی ہے، کیوں کہ تین کپڑے مسنون ہیں، ان پر زیادتی تین کا نسخ ہے اور نسخ رفع ہے (یعنی اس کا اٹھانا ہے) اسی طرح کچھ لوگوں نے پکڑی کا شملہ دہنی طرف لٹکانا مستحسن جانا ہے اور سنت یہ ہے کہ دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑا جائے، ظاہر ہے کہ یہ بدعت سنت کو اٹھانے والی ہے۔

اسی طرح بعض لوگوں نے زبان سے نیت کرنی مستحسن سمجھی ہے، حالاں کہ سرور کائنات علیہ الصلوٰة والسلام سے ثابت نہیں، نہ صحیح روایت سے نہ ضعیف سے، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے، نہ تابعین عظام رضی اللہ عنہم سے بلکہ

اقامت کے ساتھ تکبیر تحریر کہتے ہیں، پس زبانی نیت بدعت ہے اور اس کو ”بدعت حسنہ“ کہتے ہیں۔

اور یہ فقیر احمد سرہندی جانتا ہے کہ یہ بدعت سنت کو اٹھانا تو ایک طرف یہ فرض کو بھی اٹھا دیتی ہے، اسی طرح تمام محدثات اور بدعات کا حال ہے:

”فانہا زیادة على السنة ولو بوجه من الوجوه والزیادة نسخ والنسخ رفع۔“

”بدعت سنت پر کسی نہ کسی وجہ سے زائد ہوتی ہے اور سنت پر کسی چیز کو زائد کرنا سنت کو منسوخ کرنا ہے اور منسوخ کرنا اس

کا اٹھا دینا ہے۔“ [مکتوب: ۱۸۶]

رومی حنفی اور احمد سرہندی حنفی رحمہما کی فیصلہ کن بات کے بعد ثابت ہو گیا کہ مروجہ عید میلاد ﷺ بدعت سنیہ ہے، اسی لیے تو امام مالک، بیہقی، محقق شاطبی، طرطوش، احمد بن محمد ششی حنفی، علامہ عینی حنفی، ابن حجر عسقلانی، ابن حجر پیشی، ابن تیمیہ، حافظ ابن رجب اور علامہ شوکانی رحمہم عبادات و عادات میں ہر بدعت کو ضلالت اور مذمومہ قرار دیتے ہیں، واضح رہے کہ عقائد میں بدعت کا جاری کرنا بالاتفاق حرام ہے۔

عید میلاد سنت ترکیہ کے خلاف ہے

حافظ محمد محدث گوندلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”ہر بدعت سنت ترکیہ کے خلاف ہوتی ہے، سنت ترکیہ کا مطلب یہ ہے کہ قرونِ اولیٰ میں جب کسی کام کے کرنے کا سبب موجود ہو اور اس کے کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور بعد میں کوئی نیا سبب پیدا نہ ہو، جو اس کام کے کرنے کا منقضی ہو، باوجود اس کے نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں وہ فعل ثابت نہ ہو، یعنی شریعت نے اس کے جواز پر قول، فعل یا تقریر سے کوئی دلیل قائم نہ کی ہو، تو ایسے فعل کو ترک کرنا سنت ترکیہ کہلاتا ہے، جیسے عید میں اذان نبی کریم ﷺ کے عہد میں اس کا ثبوت نہیں ملتا، حالانکہ اذان کہنے کا سبب (لوگوں کو آگاہ کرنا) اس وقت

موجود تھا اور اذان کہنے سے کوئی امر مانع بھی نہیں تھا اور نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی نیا سبب اذان کہنے کا پیدا بھی نہیں ہوا، اب اس صورت میں عید میں اذان کہنا سنت ترکیہ کے خلاف ہوگا، یہی حال ہر بدعت کا ہے۔“ [الاصلاح، ص: ۹۰ حصہ دوم]

جناب غلام رسول سعیدی بریلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”اس سلسلہ میں صحیح قاعدہ یہ ہے کہ جس خاص عبادت کے کرنے کا محرک ہو اور اس کے کرنے سے کوئی مانع نہ ہو، اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے وہ کام قصداً ترک کیا ہو تو وہ کام کرنا یقیناً ناجائز امر بدعت ہے۔“

[شرح صحیح مسلم، ج: ۲، ص: ۵۴۵]

بدعت عید میلاد کا سبب (مجلس میلاد میں نبی کریم ﷺ کی تعظیم) رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھا، اس کے کرنے میں کوئی بندش بھی نہیں تھی اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا سبب اس کے کرنے کا پیدا بھی نہیں ہوا، اس لیے یہ بدعت عید میلاد سنت ترکیہ کے خلاف ہوگی، اگر کوئی نیا سبب ہماری غلطی سے پیدا ہوا ہو تو اس صورت میں بھی ہم کوئی نیا کام نہیں کر سکتے، بلکہ ہمیں چاہیے کہ اپنی غلطی کی اصلاح کریں نہ کہ بدعت ایجاد کر لیں۔

عید میلاد اور صحابہ کرام رحمہم

صحابہ کرام رحمہم اللہ بالخصوص خلفائے راشدین رحمہم اللہ اور اہل بیت جو آپ ﷺ کے سچے فداکار اور جانثار تھے، آپ ﷺ پر اپنی عزت، جان اور مال قربان کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے، جنہیں آپ ﷺ کی رفاقت نصیب ہوئی، اور براہِ راست آپ ﷺ سے دین سیکھا، جو خود نزول شریعت کے گواہ ہیں، ساری کائنات سے بڑھ کر آپ ﷺ سے محبت کرنے والے تھے، ہر بھلائی کو پانے میں سبقت کرتے اگر شریعت میں اس جشن عید میلاد کا کوئی اصل ہوتا تو وہ اس میں پہل کرتے کیوں کہ وہ سب سے بڑھ کر قرآن و حدیث کے معانی، مفہیم و مطالب اور تقاضوں کو سمجھنے والے اور ان کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے والے

تھے انھوں نے اس دن کو نہیں منایا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”واما اهل السنة والجماعة، فيقولون: في كل فعل وقول لم يثبت عن الصحابة هو بدعة لأنه لو كان خيراً ألسبقونا اليه لأنهم لم يتركوا خصلة من خصال الخير الا وقد بادروا اليها۔“

یعنی ”اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ ہر وہ فعل اور قول جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہ ہو، اس کا کرنا بدعت ہے اگر وہ نیکی کا کام ہوتا تو وہ ہم سے سبقت کرتے، کیوں کہ وہ کوئی نیک کام نہیں چھوڑتے تھے، بلکہ اسے کرنے میں جلدی کرتے

تھے۔“ [تفسیر ابن کثیر، ج: ۴، ص: ۱۹۹]

مروّجہ عید میلاد کا ثبوت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نہیں ملتا، لہذا یہ بدعت ہے۔

بریلوی علمائے کرام کا اعتراف و اظہار حقیقت

مولوی عبدالسیح رام پوری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”یہ سامان فرحت و سرور اور وہ بھی مخصوص مہینے ربیع الاول کے ساتھ اور اس میں خاص وہی بارہواں دن میلاد شریف کا معین کرنا بعد میں ہوا یعنی چھٹی صدی کے آخر میں۔“

[انوار ساطعہ، ص: ۱۵۹]

جناب غلام رسول سعیدی بریلوی لکھتے ہیں: ”سلف صالحین یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم نے محافل میلاد نہیں منعقد کیں بجا ہے۔“

[شرح صحیح مسلم، ج: ۳، ص: ۱۷۹]

عید میلاد صدرِ اول میں نہ ہونے کی وجہ

ملا احمد رومی حنفی اپنی کتاب ”مجالس الابرار“ میں فرماتے ہیں کہ ”کسی فعل (دینی امر) کا صدرِ اول میں نہ ہونا یا تو اس لیے ہوگا کہ ① اس کی حاجت نہیں، ② یا کوئی مانع تھا، ③ یا ان کو علم نہ تھا، ④ یا سستی اور تکاسل تھا، ⑤ یا کراہت تھی، ⑥ یا

عدم مشروعیت۔“

اب مروّجہ بدعت عید میلاد کو ہم ان چھ وجوہات کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ صدرِ اول میں اس کے نہ ہونے کی وجہ کیا ہے۔

اول: یعنی عدم حاجت: تو یہ بے معنی سی بات ہے کیوں کہ تقرب الی اللہ کی ہر وقت ضرورت ہے۔

دوم: مانع: تو ظہور اسلام کے بعد مانع کا تصور بھی نہیں ہو سکتا ہے۔

سوم: عدم علم۔

چہارم: تکاسل (سستی): ان دونوں کا وہم بھی نہیں ہو سکتا ہے اب ترک کی وجہ صرف اس کا سیدہ ہونا ہی ہوگا۔

ائمہ اربعہ اور مروّجہ عید میلاد

ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کی کتب میں اس کا نام و نشان تک نہیں ملتا، اب ان کو چاہیے کہ وہ اس بدعت کا ثبوت با سند صحیح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا ثبوت فراہم کریں ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ چوتھی صدی سے پہلے یہ اس کا وجود ثابت نہیں کر سکتے، جیسا کہ ان کے اکابرین نے اعتراف کیا ہے۔

مروّجہ عید میلاد النبی اجماع امت کے خلاف ہے

حافظ محمد محدث گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

خطیب و امام کے ضرورت مند

احباب جماعت متوجہ ہوں، ہمارے پاس ایک بہترین نوجوان عالم، حافظ، قاری اور خطیب صاحب موجود ہیں۔ لاہور یا مضافات میں کہیں ضرورت ہو تو رابطہ کریں۔

ابوبکر صدیق السلفی

جامع مسجد نجم اہل حدیث، احاطہ تھانیدار، لاہور

فون گھر: 7280129

”جو چیز شرعی دلیل سے ثابت نہ ہو، وہ قطعاً قرآن و سنت و اجماع و آثار کے خلاف ہوگی۔ کیوں کہ شریعت نے بدعت سے منع کیا ہے اور اس پر سخت وعید فرمائی ہے، باوجود ممانعت اور وعید کے بدعتی اس کو ایجاد کرتا ہے، اس لیے وہ کتاب و سنت اور اجماع اور اثر کی مخالفت کرتا ہے اس بنا پر بدعت کا کتاب و سنت و اجماع اور اثر کے مخالف ہونا ضروری ہے۔“

[الاصلاح، ص: ۹۰ حصہ دوم]

مروجہ عید میلاد اور علمائے محققین

..... فاکہانی فرماتے ہیں کہ ”بہت سارے لوگوں نے بار بار مجھ سے عید میلاد النبی ﷺ کے بارے میں پوچھا کہ آیا شریعت میں اس کا کوئی اصل ہے یا یہ دین میں جاری کردہ کوئی بدعت ہے؟ تو میں نے کہا کہ اس عید میلاد کا کتاب و سنت میں کوئی اصل نہیں ہے اور نہ ہی ایسا کرنا علمائے امت سے منقول ہے، بلکہ یہ بدعت ہے، جسے جھوٹوں نے ایجاد کیا ہے۔“ [المورد فی عمل المولد از فاکہانی]

..... ابو عبد اللہ محمد بن محمد العبدی المتونی ۷۳۷ھ المعروف بابن الحاج لکھتے ہیں کہ ”لوگوں کی دین میں پیدا کردہ بدعات میں سے ایک بدعت محفل میلاد ہے، یہ لوگ اس اعتقاد سے مناتے ہیں کہ یہ عبادات میں سے سب سے بڑی عبادت ہے، جب کہ یہ بدعت محفل میلاد دوسری بہت ساری بدعات اور محرمات کو گھیرے ہوئے ہے، جیسا کہ گانے اور گانوں کے آلات کا استعمال، مردوں اور نوجوانوں کا اس محفل میں شرکت کرنا اور عورتوں کا ان کو دیکھنا مفسد سے خالی نہیں ہے۔“ [المدخل لابن الحاج]

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ”محفل میلاد کی نیت سے کھانا تقسیم کرنا بھی بدعت ہے۔“

معلوم ہوا کہ ساتویں صدی کے آخر تک اس بدعت کے ضمن میں بہت ساری بدعات نے جنم لے لیا تھا۔

..... ابن النحاس المتونی ۸۱۴ھ کہتے ہیں: ”ربیع الاول میں

محفل میلاد لوگوں کی جاری کردہ بدعت ہے۔“ [تنبیہ الغافلین عن اعمال الجاہلین و تحذیر السالکین من افعال الہالکین، ص: ۴۹۹]

رسول اللہ ﷺ کی تاریخ ولادت

تاریخ ولادت کے بارے میں مختلف اقوال ملتے ہیں، صحیح ترین قول ۹ ربیع الاول ہے، جیسا کہ مشہور سیرت نگار قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”ہمارے نبی ﷺ موسم بہار دوشنبہ کے دن ۹ ربیع الاول عام الفیل مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء مطابق یکم جیٹھ ۶۲۸ بکری کو مکہ معظمہ میں بعد از صبح صادق قبل از طلوع نیر عالم تاب پیدا ہوئے۔ حضور ﷺ اپنے والدین کے اکلوتے بچے تھے۔“

[رحمة للعالمین، ج: ۱، ص: ۳۵]

مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمد محمود پاشا فلکی نے بھی یہی تحقیق پیش کی ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

”ہمارے نبی کریم ﷺ کی ولادت ۱۰ محرم کو ہوئی ہے۔“

[غنیۃ الطالبین، ج: ۲، ص: ۳۹۲ طبع بیروت]

جب تاریخ میلاد میں اختلاف ہے، اور صحیح قول ۹ ربیع الاول کے بارے میں ہے، تو بارہ ربیع الاول کو جشن کے لیے متعین کرنا کیسے صحیح ہے؟

تاریخ وفات

تاریخ میلاد کی طرح آپ ﷺ کی تاریخ وفات میں بھی اختلاف ہے۔ ہمیں اس اختلاف سے کوئی غرض نہیں، ہم نے صرف دیکھنا یہ ہے کہ جو لوگ بارہ ربیع الاول کو جشن میلاد النبی ﷺ مناتے ہیں، ان کے نزدیک آپ کی تاریخ وفات کون سی ہے؟

تاریخ وفات کے سلسلہ میں مولانا احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں کہ ”نبی ﷺ کی ولادت ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کو ہے اور اسی میں وفات

شریف ہے۔“ [ملفوظات، ص: ۲۲۰ حصہ دوم]

کچھ عرصہ پہلے یہ لوگ بارہ ربیع الاول کو بارہ وفات کہہ کر پکارتے تھے اور ختم دلواتے تھے، بڑی عجیب بات ہے کہ آج یہی لوگ اس دن کو عید میلاد النبی ﷺ کا جشن مناتے ہیں، کتنا تضاد ہے ان کے عمل میں؟

جس دن خاتم الانبیاء سید المرسلین محمد رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی، اس دن مدینہ منورہ میں قیامت صغریٰ برپا تھی، ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا، ان کو کیا معلوم کہ اس دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت کے دلوں پر کیا گزر رہی تھی، وہ تو حزن و ملال کا مجسمہ بنے ہوئے تھے، جو آپ ﷺ کے فراق میں ہوش و حواس کھو بیٹھے تھے، کھجور کا وہ تناجس کے ساتھ آپ ﷺ اپنی زندگی میں ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، جب آپ ﷺ نے منبر پر خطبہ شروع کیا، تو اس کھجور کے تنے نے آپ ﷺ کے فراق میں رونا شروع کر دیا تھا، آپ ﷺ نے اس سے معافقہ کیا اور فرمایا اگر میں (محمد ﷺ) اس کے ساتھ معافقہ نہ کرتا تو یہ قیامت تک بلبلاتا رہتا۔ [مسند احمد: ۲۴۹/۱، ۲۶۳ و ۲۶۷۔ سنن ابن ماجہ:

[۱۴۱۵]

یہ تو جمادات کی آپ ﷺ کے فراق میں آپ ﷺ کی زندگی میں حالت تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو آپ ﷺ کے سچے محب تھے، آپ ﷺ کی جدائی میں ان کے غم کا کیا عالم ہوگا؟ سیدنا واما منا و محبوبنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے جری و بہادر شخص شدت غم میں گھٹنوں کے بل گر گئے تھے۔

[صحیح بخاری: ۴۴۵۴]

احادیث سے ثابت ہے کہ جس دن آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس دن دوپہر کے وقت مدینہ منورہ میں اندھیرا چھا گیا تھا، ہر چیز تاریک ہو گئی تھی۔ [مسند احمد: ۳/۲۲۱ و ۲۶۸۔ سنن ترمذی: ۳۶۱۸۔ سنن ابن ماجہ: ۱۶۳۱] دن کے وقت اس قدر شدید اندھیرا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہیں دیتا تھا، آپ ﷺ کا یوم وفات کائنات کا تاریک ترین دن تھا، آپ ﷺ کی وفات سوموار

کو دوپہر کے وقت ہوئی اور آپ ﷺ کو بدھ کی رات دفن کیا گیا تھا۔ مگر افسوس ہے ان لوگوں پر جنہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کی پریشانی کا احساس تک نہیں ہوا، اس دن کو اپنی شکم پروری کا ذریعہ بنا کر گلے میں پھولوں کے ہار ڈال کر اچھلتے، کودتے، دھمال ڈالتے، دنگیں پکاتے اور خوشیاں مناتے نظر آتے ہیں۔

بدعات کیوں عام یا مطلق دلیل کے تحت داخل نہیں؟

یا کسی طرح مستثنیٰ ہیں؟

حافظ محمد محث گوندلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

”عیدین کی اذان پر سلف کے انکار سے یہ بات تو پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ جس نئے کام کی مصلحت نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں بدوین معارض موجود ہو، وہ کام عام یا مطلق ادلہ کے نیچے یا تو سرے سے داخل ہی نہیں ہوتا یا مستثنیٰ ہوتا ہے، مگر عام یا مطلق کے نیچے داخل ہونے کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ بدعتی ایک مباح کو سنت یا فرض یا واجب قرار دیتا ہے، اگر مباح کو مباح سمجھ کر کیا جاوے تو وہ اباحت کی عام یا مطلق ادلہ کے نیچے درج ہو جاتا ہے، اگر اس کو سنت یا واجب یا فرض سمجھ کر کیا جائے تو اس صورت میں وہ اباحت کی عام یا مطلق ادلہ سے خارج ہو جاتا ہے۔

اب اس کے ثابت کرنے کے لیے ایسی دلیل ہونی چاہیے جو اباحت سے بالاتر درجہ پر دلالت کرے، اسی طرح اگر بدعتی کسی بدعت کو صرف مباح سمجھ کر کرتا ہے مگر عملاً اس کے ساتھ سنت یا واجب کا سا معاملہ کرتا ہے، اس کے ترک میں حرج خیال کرتا ہے، اس کو چھوڑنے میں تنگی محسوس کرتا ہے، تو اس صورت میں اس نے اس کام کا درجہ اس کی حد سے بڑھا دیا، پس اس صورت میں بھی اس پر عام یا مطلق ادلہ سے استدلال درست نہیں جن میں اس بڑھے ہوئے درجہ کا ذکر نہ ہو۔

اگر ان عام یا مطلق ادلہ کے متعلق یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ

ضرورت شاف

جامعہ الدراسات الاسلامیہ (مرکز ام الہدیٰ) کینال بنک سکیم ہرنس پورہ لاہور میں ایک کمپیوٹر آپریٹر، چوکیدار اور مخفی خادم کی ضرورت ہے۔ خواہش مند حضرات جلد از جلد رابطہ کریں۔

[فون جامعہ: 0300-9491221۔ 0300-4639354]

تبلیغی جلسے

①..... ۳۱ مارچ ۲۰۰۷ء بروز ہفتہ بعد نماز عشاء سید البشر کانفرنس بمقام مسجد رحمان اہل حدیث جھنگ شہر میں منعقد ہوگی۔

②..... جامع مسجد محمدی اہل حدیث مہر شاہ نزد خانیاں ۳ اپریل بروز منگل بعد نماز عشاء سیرت امام الانبیاء کانفرنس ہوگی۔

③..... مرکزی جامع مسجد مبارک اہل حدیث گگو منڈی میں ۴ اپریل بروز بدھ پیغام مصطفیٰ کانفرنس ہوگی۔ صدارت مولانا عطاء اللہ طارق کریں گے۔ مذکورہ پروگراموں میں مولانا عبدالعزیز راشد، مولانا محمد احمد پرواز اور احمد علی سیف صاحبان خطاب کریں گے۔ [انتظامیہ مساجد ہذا]

بدعات کو بھی شامل ہیں، پس اس صورت میں یہ بدعات بوجہ منع بدعت کی ادلہ کے مستثنیٰ ہو کر خارج ہو جائیں گی، پس دعوت الی اللہ اگرچہ عیدین کی اذان کو بھی شامل ہے مگر عیدین کی اذان چوں کہ بدعت ہے اس لیے یہ دعوت الی اللہ سے خارج سمجھی جائے گی۔“

[الاصلاح، حصہ دوم، ص: ۱۵، ۱۴]

اہل بدعت مروجہ عید میلاد کے ثبوت میں جو دلائل پیش کرتے ہیں تو کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین رضی اللہ عنہم، ائمہ دین رضی اللہ عنہم، سلف صالحین رضی اللہ عنہم ان سے بے خبر تھے؟ اگر ان دلائل سے مروجہ عید میلاد کا جواز یا استحباب ثابت ہوتا تو یہ لوگ ضرور اس کا اہتمام کرتے اور خود نبی کریم ﷺ نے باوجود مقتضی اور عدم مانع کے ترک کیا ہے، اس کا ترک کرنا سنت ہے اور کرنا بدعت سیئہ اور مذمومہ ہے۔

.....

مرکزی جمعیتہ اہل حدیث جام پور کے زیر اہتمام سالانہ

اہل حدیث کانفرنس جام پور

منعقد ہو رہی ہے

زیر سرپرستی

مولانا محمد الیسین صاحب، راہی

ڈپٹی سیکرٹری جنرل مرکزی جمعیتہ اہل حدیث، پاکستان

زیر قیادت

فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالکریم صاحب

ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیتہ اہل حدیث، پاکستان

مقرین

☆ مولانا قاری عبدالوکیل صاحب صدیقی خانپور ☆ مولانا حافظ محمد یوسف صاحب پسوری ☆ مولانا عابد الباسط شیخو پوری

درس قرآن مجید
مولانا عبید اللہ انور، جہانیاں

رابطہ کے لیے
غازی اسلام مولانا محمد لیاقت صدیقی
فون: 0333-8556473

و دیگر علمائے کرام خطاب فرمائیں گے۔

الداعی الی الخیر: (مولانا) محمد اسماعیل ساجد، ناظم اہل حدیث کانفرنس، جام پور۔ فون: 03338556472

صحیحین میں

غنائے جاریتین کی روایت

پراہل اشراق کے اعتراضات کا جواب

ابوالبردر مولانا ارشاد الحق اثری

ترجمۃ الباب میں ابتداءً انہیں ذکر کیا ہے۔ صحت کے اعتبار سے ان کا درجہ ان روایات سے فائق ہے جو متابعہ اور شواہد میں مذکور ہیں۔ خود امام مسلم نے بھی مقدمہ مسلم میں اس فرق کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور دیگر ائمہ نے بھی اس کی وضاحت کی ہے۔

صحیحین کی متفق علیہ روایات میں ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جس میں عید کے موقع پر نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں ”جاریتین“ (دو جاریہ) کے دف بجانے اور گانے کا ذکر ہے، اور صحیحین ہی میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ ”ولیسنا بمغنیین“ وہ دونوں پیشہ ور مغنیہ نہ تھیں۔ قارئین الاعتصام کے علم میں یہ بات ہوگی کہ موسیقی کے جواز کا فتویٰ اور اس کی تائید و حمایت میں ارباب اشراق نے اولاً تو ان الفاظ کو ذکر ہی نہ کیا۔ ہم نے بفضل اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کی نشان دہی کی تو پھر ان کو ضعیف ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ ہم نے اس حوالے سے ان کے خدشات کا ازالہ کرنے کی کوشش کی مگر اس سے ان کی تشفی نہیں ہوئی۔ چنانچہ ماہنامہ اشراق ستمبر ۲۰۰۶ء کے شمارہ میں اپنے خطرات کو ایک نئے اسلوب میں پیش کیا گیا، جن کے بارے میں ہم اپنی معروضات قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ یہ وضاحت اس لیے ضروری سمجھی گئی کہ یہ روایت صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ہے، اور ارباب اشراق سے پہلے کسی محدث یا کسی صاحب علم نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ موسیقی کے جواز کا فتویٰ

کتب احادیث میں صحیحین اور بالخصوص صحیح بخاری کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جو شہرت دوام عطا فرمائی ہے وہ کسی اور کتاب کو حاصل نہیں۔ محدثین کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ صحیح بخاری کی تمام روایات صحیح اور تمام مسائل زندگی میں دلیل و حجت ہیں۔ اس کی احادیث کو قبول عام کا شرف حاصل ہے۔ البتہ معدودے چند روایات اس تلقی و قبول سے خارج ہیں جن پر بعض محدثین نے اعتراض کیا ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی قطعاً نہیں کہ وہ احادیث ضعیف یا مردود ہیں۔ علامہ الوزیر الیمانی نے انہی روایات کے بارے میں صاف صاف فرمایا ہے:

”اعلم ان المختلف فیہ من حدیثہما هو الیسیر و لیس ذلک الیسیر ما هو مردود بطریق قطعیة ولا إجماعیة بل غاية ما فیہ انه لم یعتقد علیہ الإجماع۔“ [الروض الباسم، ج: ۱، ص: ۷۹]

”خوب جان لو کہ بخاری و مسلم کی یہ تھوڑی سی مختلف فیہ احادیث نہ قطعی طور پر ضعیف ہیں اور نہ اجماعی طور پر، بلکہ زیادہ سے زیادہ ان کے بارے میں یہ بات ہے کہ ان کی صحت پر اجماع نہیں ہوا۔“

یعنی وہ متکلم فیہ روایات بھی صحیح ہیں البتہ ان کی صحت پر اتفاق نہیں اور وہ تلقی بالقبول (قبول عام) کے درجہ سے کم ہو گئی ہیں۔ بالخصوص وہ روایات جن سے شیخین نے استدلال کیا ہے اور

ارباب اشراق کے علاوہ بعض اور حضرات نے بھی دیا، مگر انھیں بھی اس کی جسارت نہیں ہوئی کہ وہ اس متفق علیہ روایت کو ضعیف قرار دیں۔

ہشام بن عروہ کی روایات

پہلے فرمایا گیا تھا کہ ہشام کی اپنے باپ عروہ سے ایک کے علاوہ باقی تمام روایات امام زہری کے واسطے سے ہیں۔ مگر ہماری معروضات اور جناب افتخار تبسم صاحب کے توجہ دلانے کے نتیجے میں اب اس بات کو تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ہشام کا اپنے والد سے سماعِ کلتہ اختلاف نہیں رہا۔ [اشراق، ص: ۲۸۔ ستمبر ۲۰۰۶ء] والحمد للہ علیٰ ذلک۔

ہشام کے بارے میں دوسرا اعتراض یہ تھا کہ عراق جانے کے بعد ہشام اپنے والد عروہ سے روایات نقل کرنے میں غیر محتاط ہو گئے تھے۔ اس کے جواب میں ہم نے جو کچھ عرض کیا تھا اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

①.....عراق سے مراد اقلیم عراق نہیں، کوفہ ہے اور ہشام سے حماد، معمر دونوں بصری شاگرد بھی روایت کرتے ہیں۔

②.....ہشام کے بارے میں یہ اعتراض کوفہ میں دوسری اور تیسری بارآمد سے متعلق ہے۔

③.....جس دور میں کہا گیا ہے کہ وہ غیر محتاط ہو گئے تھے اس کے بارے میں یہ وضاحت بھی ہے کہ اس دور میں ان سے کعب، ابن نمیر اور محاضر نے سنا ہے۔

④.....صحیحین میں شیخین کا تتبع معروف ہے، اس لیے ان میں دلسین یا مختلطین کی روایات کا حکم وہ نہیں جو دوسری کتابوں میں ہے۔ ہماری ان معروضات کے جواب میں فرمایا گیا ہے:

ہشام یقیناً کوفہ ہی گئے تھے، اہل عراق کا حوالہ دینے سے مقصد ہشام کی جائے اقامت کا ذکر کرنا نہیں اور نہ یہ بتانا ہے کہ ان کے ہاں عدم احتیاط کا پہلو صرف اہل کوفہ کی نقل کردہ مرویات میں پایا جاتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اس دور میں ہشام نے ارسال کا طریقہ اختیار کیا تھا۔ لہذا اس دور میں جن راویوں نے بھی ان سے روایت کی ان کی روایات

کو یقینی طور پر متصل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ [اشراق، ص: ۲۹]

بجا فرمایا، مگر یہ کوفہ میں دوسری اور تیسری مرتبہ جانے کے بعد ہے۔ اس دور میں جن حضرات نے ان سے روایت لی ہیں ان کی روایات میں بظاہر اس تصور کی گنجائش موجود ہے کہ ان میں ارسال ہو مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ رہی ”عراق“ کے حوالے سے بات، تو یہ دراصل اس غلط فہمی کا ازالہ ہے کہ ہشام کی تمام اقلیم عراق میں یہ پوزیشن نہیں بلکہ شہر کوفہ کے متعلق ہے۔ اور ہشام سے روایت کرنے والے صرف ان کے کوئی شاگرد ہی نہیں، جیسا کہ پہلے اس کا تاثر دیا گیا تھا، بلکہ بصری شاگرد بھی ہیں۔ رہی یہ بات کہ ہشام کے بصری تلامذہ نے بھی ان کے کوفہ آنے کے بعد سماع کیا ہے مدینہ طیبہ میں نہیں تو اس کی وضاحت آئندہ آ رہی ہے۔

ہم نے عرض کیا تھا کہ ہشام کی مرویات کے بارے میں یہ اعتراض ان کے کوفہ میں دوسری اور تیسری بارآمد سے متعلق ہے کہ

”قدم الكوفة ثلاث مرات، قدمه كان يقول:

حدثني أبي قال: سمعت عائشة، وقدم الثانية

فكان يقول: أخبرني أبي عن عائشة وقدم الثالثة

فكان يقول: أبي عن عائشة -“ [التهدیب، ج: ۱۱،

ص: ۵۰، السیر، ج: ۶، ص: ۳۴ وغیرہما]

”ہشام کوفہ میں تین بار آئے۔ پہلی مرتبہ آئے تو کہتے تھے:

”حدثني أبي قال: سمعت عائشة“ یعنی ارسال نہیں

کرتے تھے سماع کی صراحت کرتے تھے۔ دوسری بار آئے تو

”أخبرني أبي عن عائشة“ کہتے۔ یعنی تب بھی باپ سے

روایت میں سماع کی صراحت کرتے مگر باپ اور سیدہ عائشہ کے

مابین سماع کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ اور تیسری بار آئے تو باپ

سے اور باپ کا حضرت عائشہ سے سماع کا ذکر نہیں کرتے تھے۔“

اب یہ کیا انصاف ہے کہ مطلق طور پر تمام اہل کوفہ کی ہشام سے روایات کو غیر متصل اور غیر صحیح قرار دے دیا جائے۔ بالخصوص جب کہ

ہشام سے یہ روایت کرنے والے ابو اسامہ حماد بن اسامہ ہیں اور وہ محدثین کے ہاں ہشام سے روایت کرنے میں ثقہ اور ثبت ہیں اور اس کی روایت کو درست قرار دیتے ہیں، جیسا کہ آئندہ اس کی تفصیل آ رہی ہے۔ یہ بات ہم نے پہلے بھی عرض کی کہ ہشام پر یہ اعتراض ان کی تمام مرویات کے بارے میں نہیں مگر اہل اشراق نے ہماری اس گزارش کو درخور اعتنا ہی نہیں سمجھا۔

اسی طرح یہ بھی عرض کیا تھا کہ التہذیب اور تاریخ بغداد [ج: ۱۴، ص: ۴۰] میں وضاحت ہے کہ آخری دور میں ہشام سے وکیع، ابن نمیر اور محاضر نے سنا ہے، اور صحیحین میں یہ روایت ان تینوں کی بجائے ابو اسامہ سے ہے لہذا تمام اہل کوفہ کی ہشام سے روایت کو ارسال پر محمول کرنا قطعاً درست نہیں۔ مگر افسوس! اہل اشراق نے اس طرف بھی نظر التفات نہیں فرمائی اور اپنی ضد میں کہے جارہے ہیں کہ کوفہ میں بیان کی ہوئی روایات کو یقینی طور پر متصل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اسی سے یہ عقدہ بھی کھل جاتا ہے کہ بصری تلامذہ نے مدینہ میں نہیں کوفہ ہی میں ہشام سے سماع کیا تھا۔ کیا ان تمام نے آخری بار سماع کیا تھا یا اس سے پہلے بھی؟ تمام کا سماع یکساں ہے تو آخر میں سماع کرنے والوں کی نشان دہی چہ معنی دارد؟

صحیحین میں مدلسین کی روایات

صحیحین میں مدلس یا مختلط روایات کے بارے میں جو کچھ ہم نے عرض کیا اس کے بارے میں اہل اشراق کی سخن سازی دیکھیے، لکھتے ہیں: ”مولانا (راقم) فرماتے ہیں صحیحین میں مدلسین کی معنعن روایات جمہور کے ہاں سماع پر محمول ہیں۔ مگر جہاں دلائل قطعیہ سے انقطاع ثابت ہو، اس کا انکار محض مجادلہ و مکابرہ پر مبنی ہے۔ البتہ اس سلسلے میں متاخرین کی بجائے عموماً متقدمین، محدثین جن کی نگاہوں میں ذخیرہ حدیث تھا، کا قول قابل قبول ہوگا۔ ہر کس و ناکس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔“ [توضیح، ج: ۲، ص: ۳۰۲]

کیا مولانا محترم اس بات کی وضاحت فرمائیں گے کہ اگر مدلسین کی معنعن روایات کے حوالے سے شیخین کا تتبع ایسا ہی قطعی ہے تو بعض روایات میں ”دلائل قطعیہ سے انقطاع ثابت“ ہونے کی گنجائش کیسے پیدا ہوگئی؟ اور جب بعض مقامات پر انقطاع کا انکار ”محض مجادلہ و مکابرہ پر مبنی“ ہے تو پھر کیا دلیل ہے کہ باقی مقامات پر جو شیخین پر اعتماد یا توجہ اور تنبیہ نہ ہونے کے باعث محدثین کے ہاں زیر بحث نہیں آ سکے، اتصال ہی کو حتمی سمجھنا خوش اعتقادی اور تقلید پر مبنی نہیں؟“

[اشراق، ص: ۳۰، ۳۱]

اولاً: گزارش ہے کہ راقم نے شیخین کے تتبع اور صحیح احادیث کو منتخب کرنے میں ان کے اہتمام اور احتیاط کا ذکر تو کیا لیکن اسے ”قطع“ قرار نہیں دیا جیسا کہ اہل اشراق نے لکھا ہے، جس پر ان کے اعتراض کی پوری عمارت کھڑی ہے۔ توضیح کی عبارت پر غور فرمائیے ہم نے تو جمہور کے حوالے سے لکھا ہے کہ ”صحیحین میں مدلسین کی معنعن روایات جمہور کے ہاں سماع پر محمول ہیں۔“ بلکہ توضیح میں ہم نے اس موقف پر محدثین کے ”اتفاق“ کا دعویٰ کرنے والوں کی تردید کی ہے، جس کی پوری تفصیل توضیح الکلام [ص: ۲۹۷ سے ۳۰۲، ج: ۲] میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اور الاعتصام میں بھی ہم نے یہی عرض کیا کہ ”محدثین کے ہاں یہ بات تقریباً طے شدہ ہے کہ صحیحین میں مدلسین کی معنعن روایات محمول علی

السماع ہیں۔“ [ہفت روزہ الاعتصام ۵۸: ۱۴/۲۹]

یہاں بھی ”تقریباً“ کا لفظ اسی بات کا غماز ہے کہ یہ اصول مجمع علیہ نہیں بلکہ اکثری اور جمہور کے نزدیک ہے۔

ثانیاً: زیر بحث روایت میں ہشام کی بنا پر اعتراض ہی درست نہیں۔ اس لیے کہ اولاً تو ہشام مدلس نہیں ہے۔ ہم عرض کر چکے ہیں المعرفة [للحاکم، ص: ۱۰۴] کے حوالے سے امام بیہقی القطان کا جو قول نقل کیا گیا ہے اس کی سند ہی صحیح نہیں۔ حافظ صلاح الدین کی کلدی العلانی نے یہی واقعہ نقل کر کے صاف طور پر لکھا ہے:

”فی جعل ہشام بمعرد هذا مدلسا نظر ولم أر

من وصفه به - [جامع التحصيل، ص: ۱۲۸]

”صرف اس واقعہ کی بنا پر ہشام کو مدلس قرار دینا محل نظر ہے میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس کو مدلس کہا ہے۔“

حافظ الحکمی نے بھی التبيين لأسماء المدلسين [رقم: ۹۰] میں حافظ العلائی سے یہی کچھ نقل کر کے گویا ان کی تائید کی ہے کہ ہشام کو کسی نے مدلس نہیں کہا۔ البتہ علامہ ابن العراقی نے امام یعقوب بن شبیبہ کے قول کی بنا پر جسے اشراق اپریل ۲۰۰۶ء میں تہذیب [ج: ۱۱، ص: ۴۵] کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ ”ہشام عراق جانے کے بعد اپنے والد سے روایات نقل کرنے میں غیر محتاط ہو گئے جس کی وجہ سے ان کے شہر کے لوگوں نے ان پر اعتراض کیا۔ ہماری رائے میں ہشام اہل عراق کو تاثر یہ دیتے تھے کہ وہ اپنے والد سے صرف وہی روایات نقل کرتے ہیں جو انھوں نے ان سے سنی تھیں۔ اس میں ان کی بے احتیاطی یہ تھی کہ انھوں نے وہ روایات بھی اپنے والد کی نسبت نقل کر دیں جو انھوں نے براہ راست نہیں بلکہ بواسطہ سنی تھیں۔“ اسی بنا پر علامہ ابن العراقی نے ہشام کو مدلس قرار دیا اور حافظ ابن حجر نے بھی طبقات المدلسین کے پہلے طبقہ میں ہشام کو ذکر کیا۔

لیکن امام مسلم نے مقدمہ صحیح مسلم، ص: ۲۲ میں اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ محدثین بسا اوقات ارسالاً روایت بیان کرتے ہیں اور جس سے حدیث سنی ہوتی ہے اس کا نام نہیں لیتے اور کبھی نشاط میں پوری سند سے روایت کرتے ہیں جیسا کہ اسے سنا ہوتا ہے۔ اس حوالے سے انھوں نے جو مثالیں ذکر کی ہیں ان میں ہشام بن عروہ کی روایت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ مثلاً ایوب سختیانی، ابن مبارک، وکیع، ابن نمیر، اور دیگر ایک جماعت ہشام بن ابی عنان عاتشہ کی سند سے یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کو سب سے عمدہ خوشبو لگاتی تھی، احرام باندھتے وقت اور احرام کھولتے وقت۔ یہی روایت لیث بن سعد، داؤد الطمار، حمید بن الاسود، وہیب بن خالد اور ابواسامہ، ہشام سے بواسطہ عثمان بن عروہ بن عروہ عن عائشہ روایت کرتے ہیں۔ اسی طرح

ہشام بن ابی عنان عاتشہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اعتکاف میں ہوتے تو اپنا سر میری طرف جھکا دیتے، میں آپ ﷺ کے سر مبارک میں کنگھی کرتی حالانکہ میں حائضہ ہوتی۔ اس روایت کو امام مالک نے زہری سے روایت کیا ہے اور وہ اسے عروہ عن عمرہ عن عائشہ سے روایت کرتے ہیں۔ اس نوعیت کی مثالوں سے امام مسلم نے ثابت کیا ہے کہ یہ صورت ارسال و اتصال کی ہے۔ خوشی اور اطمینان کی حالت میں محدث پوری متصل سند ذکر کرتا ہے اور کبھی اسے واسطہ کے حذف سے مرسل بیان کرتا ہے۔ یوں انھوں نے اشارہ کیا ہے کہ ہشام کی ایسی روایات تدلیس کی بنا پر نہیں ارسال و اتصال کی صورت میں ہیں۔ ان روایات میں گویہ بھی احتمال ہے کہ ہشام نے پہلے بواسطہ عثمان سنا ہو پھر خود براہ راست بھی عروہ سے سماع کیا ہو۔ یا عروہ نے یہ روایت بواسطہ عمرہ سنی ہو، پھر براہ راست عروہ نے حضرت عائشہ سے اس کا سماع کیا ہو۔ لیکن امام مسلم فرماتے ہیں کہ یہاں صورت اتصال و ارسال کی ہے۔ دونوں اسانید نقل کرنے والے بڑے بڑے ائمہ کبار ہیں ان کی تغلیط ممکن نہیں، اور ایسا ”نقات محدثین“ اور ”ائمہ اہل علم“ کرتے ہیں، اس سے متن کے اعتبار سے کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔

امام مسلم رحمہ اللہ کا مرسل روایت کے ضمن میں اس بحث کا ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بھی ایسی روایات کی بنا پر ہشام کو مدلس قرار نہیں دیتے۔ امام دارقطنی نے بھی ہشام کی ایسی روایات کو نشاط و انبساط پر ہی محمول کیا ہے، تدلیس پر نہیں۔ ملاحظہ ہوا لعل [ج: ۱۵، ص: ۳۱۷] ان سے قبل یہی بات امام احمد نے فرمائی ہے۔ [شرح علل الترمذی لابن رجب، ج: ۲، ص: ۶۷۹] علامہ عبدالرحمن المعلى نے بھی التکلیل [ج: ۱، ص: ۵۱۷، ۵۱۸] میں کہا ہے کہ ہشام مدلس نہیں ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ہشام کی تدلیس کے بارے میں ابن خراش کے قول سے بھی استدلال کیا ہے۔ حالانکہ ابن خراش، جن کا نام عبدالرحمن بن یوسف بن خراش ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے میزان [ج: ۴، ص: ۳۰۲] میں ابن قطان کے قول کی تردید کرتے ہوئے

”وكدذا قول عبد الرحمن بن خراش“ کہہ کر اس قول کی بھی تردید کر دی ہے۔ ائمہ فن نے اس کی جرح پر اعتماد نہیں کیا جیسا کہ ہدی الساری میں حافظ ابن حجر نے سلیمان بن داؤد العتقی، موسیٰ بن اسماعیل التبوذکی کے تراجم میں، اور حافظ ذہبی نے المیزان میں احمد بن عبدہ، ابوسلمہ موسیٰ بن اسماعیل کے تراجم میں اشارہ کیا ہے۔ شیخ ابوعبدہ نے الرفع والتکمیل [ص: ۲۶۸، ۲۶۹] کے حواشی میں بھی اس حقیقت کی وضاحت کی ہے۔ اس لیے اس قول کی بنا پر ہشام کو مدلس قرار دینا بھی صحیح نہیں۔ اگر اسے معتبر قرار دیا جائے تو بھی اس سے صحیح بخاری اور مسلم کی زیر بحث غناء جارتین کی روایت پر کلام خود ابن خراش کے موقف کے خلاف ہے۔ کیوں کہ اس میں انھوں نے کہا ہے کہ کوفہ میں ان آخری ایام میں ہشام سے کعب، ابن نمیر اور محاضر نے سماع کیا ہے۔ مگر یہ روایت ان تینوں میں سے کسی ایک سے مروی نہیں اس لیے ابن خراش کے قول سے اس پر نقد محض طفل تملی اور اصول سے بے خبری پر مبنی ہے۔

حافظ ابن حجر نے ہشام بن عروہ کو بلاشبہ طبقات المدلسین میں ذکر کیا ہے، اور تقریب التہذیب [ص: ۵۳۳] میں بھی کہا ہے کہ ”ربما دلّس“ مگر ان کی یہ بات محل نظر ہے بلکہ طبقات المدلسین میں جو انھوں نے فرمایا ہے:

”ذكر بذلك ابو الحسن بن القطان وأنكره الذهبي، وابن القطان معذور فلما الحكاية المشهورة عنه أنه قدم العراق ثلاث مرات -“ الخ کہ ”اسے تدلیس کے ساتھ ابن قطان نے ذکر کیا ہے مگر علامہ ذہبی نے اس کا انکار کیا ہے۔ اور ابن قطان معذور ہیں کیوں کہ ہشام سے حکایت مشہور ہے کہ وہ تین بار عراق گئے۔“

یہی صحیح نہیں ہے، علامہ ابن قطان نے قطعاً ہشام کو مدلس نہیں کہا اور نہ اس حوالے سے علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی تردید ہی کی ہے۔ بلکہ علامہ ابن قطان نے ہشام کو مختلط قرار دیا ہے جیسا کہ ”بیان الوهم والایہام“ [ج: ۵، ص: ۵۰۴، رقم: ۲۷۲۶] میں ہے۔ علامہ ذہبی

نے اسی کی تردید بلکہ سخت تردید کی ہے۔ ملاحظہ ہو ”نقد الامام الذهبي لبيان الوهم والايهام“ [ص: ۱۲۶، رقم: ۸۵، میزان الاعتدال، ج: ۴، ص: ۳۰۱، ۳۰۲، سیر اعلام النبلاء، ج: ۶، ص: ۳۵، ۳۶] امام احمد نے بھی فرمایا ہے کہ مجھے ہشام کے تغیر کے بارے میں کوئی بات نہیں پہنچی۔ [شرح العلل، لابن رجب ج: ۱، ص: ۶۷۹] بلکہ خود حافظ ابن حجر نے بھی علامہ ابن قطان سے اختلاف کا قول ہی نقل کیا ہے اور اس کی تردید کی ہے۔ چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

”قال ابو الحسن بن قطان تغير قبل موته ولم نر له ذلك سلفا -“ [التهديب، ج: ۱، ص: ۵۱]

کہ ”ابو الحسن ابن قطان نے کہا ہے ہشام وفات سے پہلے متغیر ہو گئے تھے لیکن اس میں ہم ان کا کوئی سلف نہیں دیکھتے کہ متقدمین میں سے کسی نے بھی ہشام کو مختلط و متغیر کہا ہو۔“ ابن قطان سے تدلیس کا قول تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی کہیں



نقل نہیں کیا۔ اس لیے ابن قطان کے حوالے سے ہشام کو مدلس قرار دینا اور اس کی تردید علامہ ذہبی سے نقل کرنا درست نہیں۔

البتہ امام یعقوب بن شبیبہ اور ابن خراش کے قول کی بنا پر انھوں نے فرمایا ہے کہ ”هذا هو التدليس“ یہی تدلیس ہے۔ مگر ہم ان دونوں کے قول کی وضاحت پہلے کر چکے ہیں۔ امام مسلم نے اسی صورت کو ارسال و اتصال پر محمول کیا ہے تدلیس پر نہیں۔ کیوں کہ ہشام مدلس نہیں ہیں۔ معنعن روایت پر بحث کے ضمن میں ہشام کی ایسی مرویات کی طرف اشارہ کر کے انھوں نے ثابت کیا ہے کہ ثقہ راویوں سے یہ بات منقول ہے کہ وہ اپنے شیوخ سے وہ روایتیں بھی بیان کرتے ہیں جنہیں انھوں نے براہ راست سنا نہیں ہوتا۔ مگر اس کے باوجود محدثین ان کے معنعنہ کو قبول کرتے ہیں ظاہر ہے کہ اگر وہ مدلس ہوں تو ان کا معنعنہ کیوں کر قبول کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے امام یعقوب اور ابن خراش کے قول کی بنا پر ہشام کو مدلس قرار دینا صحیح نہیں۔

علاوہ ازیں اگر حافظ ابن حجر نے طبقات المدلسین میں ہشام کو ذکر کیا ہے تو انہی کے بیان کردہ طبقات کے مطابق ہشام کو پہلے طبقہ میں ذکر کیا ہے، جس کے بارے میں وہ فرماتے ہیں:

”الأولى من لم يوصف بذلك إلا نادراً“

کہ پہلا طبقہ وہ ہے جن کی طرف نادرتور پر تدلیس کی نسبت کی گئی ہے۔ بلکہ انھوں نے ”النكت على كتاب ابن الصلاح“ میں بھی ہشام کو پہلے طبقہ ہی میں شمار کیا ہے، جن کے بارے میں خود انھوں نے یہ وضاحت کی ہے۔

”الأولى: من لم يوصف بذلك إلا نادراً، وغالب

رواياتهم مصرحة بالسماع، والغالب ان إطلاق

من أطلق ذلك عليهم فيه تجوز من الإرسال الى

التدليس، ومنهم من يطلق ذلك بناء على الظن،

ويكون التحقيق بخلافه“ الخ

[النكت، ج: ۲، ص: ۶۳۶، ۶۳۷]

”پہلا درجہ وہ ہے جسے شاذ و نادر طور پر مدلس کہا گیا ہے اور اکثر ان کی روایات میں صراحت سماع پائی جاتی ہے۔ اور اکثر جنھوں نے انھیں مدلس کہا ہے انھوں نے ارسال سے تجوز کرتے ہوئے مدلس کہہ دیا ہے۔ اور ان میں وہ بھی ہیں جنہیں محض ظن کی بنا پر مدلس کہا گیا ہے اور تحقیق و حقیقت اس کے خلاف ہے۔“

حافظ ابن حجر کے اس بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ ہشام اصطلاحی مدلس نہیں، نہ ہی اس کے معنعنہ پر محدثین سابقین نے اعتراض کیا ہے۔ اس لیے ہشام کی معنعنہ روایت کی بنا پر اشراق کا اعتراض درست نہیں بلکہ ان کی یہ لڑائی تو اپنے منہ میاں مٹھو بننے کا مصداق ہے کہ ”باقی مقامات پر جو شیخین پر اعتماد یا توجہ اور تنبیہ نہ ہونے کے باعث محدثین کے ہاں زیر بحث نہیں آسکے، اتصال ہی کو حتمی سمجھنا محض خوش اعتقادی اور تقلید پر مبنی ہے۔“ [اشراق، ص: ۳۱، مئی ۲۰۰۶]

گویا تقریباً گیارہ سو سال تک شیخین پر اعتماد کے نتیجے میں تو یہ روایت محدثین کے زیر بحث نہیں آئی۔ یہ ”شرف و فضل“ اشراق سے وابستہ ”محققین“ کے حصہ میں آیا ہے اور اب یہ راز ان پر کھلا ہے کہ یہ روایت تو ہشام کی تدلیس کی بنا پر ناقابل اعتبار ہے۔ سبحان الله

سلف امت کی یوں تغلیط اشراق کے حلقہ ارادت کا ”طرۃ امتیاز“ ہے حتیٰ کہ اس حلقہ کے ماخذ شریعت بھی سلف امت کے برعکس ہے۔ صحابہ کرام نے قرآن مجید سے جو مسئلہ سمجھا اور اس پر عمل کیا وہ بھی ان حضرات کے نزدیک درست نہیں۔ صحابہ کرام نے قرآن پاک سے موسیقی اور آلات موسیقی کو حرام سمجھا، مگر ان حضرات کے نزدیک ”قرآن مجید اس کے بارے میں خاموش ہے۔“ [اشراق]

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ”فهل انتم منتھون“ کا فرمان سن کر پکار اٹھے ”انتھینا انتھینا“ مگر ہمارے ”دانشوروں“ اور اہل اشراق کو قرآن میں یہ حرمت نظر نہیں آتی۔ چنانچہ اسی حلقہ کے ایک دانش ور جناب عبدالباسط صاحب شراب سے متعلق ایک سوال کے جواب میں

فرماتے ہیں:

”اپنے پچھلے جواب میں ہم نے (شراب کے لیے) ناپسندیدہ کا لفظ حرمت کے مقابلے میں اصطلاح کے طور پر استعمال نہیں کیا۔ اس سے یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ شراب پینا شرعی حرمتوں میں سے نہیں۔ بلکہ وہ تو اس سے بھی زیادہ بنیادی یعنی فطری حرمتوں میں سے ہے..... آپ (سائل) نے فرمایا کہ ہماری رائے نصوص شرعیہ کے خلاف ہے۔ اگر قرآن کی کوئی ایسی آیت پیش کر دیں جس میں اللہ تعالیٰ نے شراب کو واضح لفظوں میں حرام قرار دیا ہے تو ہمیں اپنی رائے سے رجوع کرنے میں ہرگز کوئی تامل نہیں ہوگا۔

[بحوالہ الشریعہ، فروری ۲۰۰۷ء، ص: ۳۷]

اس نوعیت کے کتنے مسائل ہیں جن میں ان حضرات نے سلف امت سے جدا راستہ اختیار کیا۔ لہذا اگر صحیح بخاری و مسلم کی حدیث، جسے گیارہ سو سال سے امت نے صحیح تسلیم کیا اور اس سے استدلال کیا، پر یہ حضرات حرف گیری کرتے ہیں تو اس میں الجھبھی کی کون سی بات ہے؟

حالاں کہ امام یعقوب بن شیبہ وغیرہ نے جو کچھ فرمایا ہے، آپ پڑھ آئے ہیں کہ امام مسلم نے وہی بات اپنے اسلوب میں کہہ کر ہشام کی معین روایتوں پر اعتراض کو رد کر دیا ہے کیوں کہ وہ اصطلاحی مدلس نہیں ہیں۔ پھر یہ بات بھی نہیں کہ اس کا اب انکشاف اہل اشراق پر ہوا ہے بلکہ تاریخ و تراجم کی کتابوں میں حافظ بغدادی سے لے کر حافظ ابن حجر تک لکھتے چلے آئے ہیں، لیکن اس کے باوجود کسی نے بھی ہشام کی صحیحین میں روایات کو مورد طعن نہیں بنایا۔

اس لیے اہل اشراق کا یہ کہنا کہ یہ روایت ”توجہ اور متنبہ نہ ہونے کے باعث محدثین کے ہاں زیر بحث نہیں آسکی“ اپنے منہ میاں مٹھو بننے کے مترادف ہے۔ جب ہشام کا یہ اسلوب محدثین کے ہاں زیر بحث رہا ہے تو اس کے بعد اس پر عدم ”توجہ و متنبہ“ چہ معنی دارد؟

بلکہ ہم نے عرض کیا کہ اگر ہشام کے بارے میں اس کہانی کو

تسلیم کیا جائے تو خود اسی میں وضاحت ہے کہ اس دور میں ہشام سے سماع کرنے والے ”وکیع، ابن نمیر اور محاضر“ ہیں لیکن بخاری اور مسلم کی اس روایت کو ہشام کے ان تلامذہ نے بیان ہی نہیں کیا اس لیے اس پر نقد و اعتراض بے اصولی پر مبنی ہے اور اپنے آپ کو مطمئن کرنے کی ناکام کوشش۔

[جاری ہے]



حمد و نعت کا نفرنس

جامعہ رحمانیہ اڈا لاریاں فاروق آباد ضلع شیخوپورہ میں سالانہ حمد و نعت کانفرنس مورخہ یکم اپریل ۲۰۰۷ء بمطابق ۱۲ ربیع الاول بعد نماز ظہر تا مغرب منعقد ہوگی۔ مولانا عبدالعزیز راشد، مولانا محمد اسحاق اوکاڑوی، مولانا منظور احمد دیگر خطاب کریں گے۔

[حافظ (عبدالرزاق سعیدی، مہتمم جامعہ ہذا)]

مختصر تفسیر سمیت دنیا کا ایک انوکھا ترجمہ قرآن

آؤ ایسے قرآن پاک پر تلاوت کریں کہ ترجمہ اور تفسیر خود بخود دل میں اترتے جائیں

إِنَّ بَعْضَ الْكَلِمِ اِنَّهُمْ وَ لَا تَجَسَّسُوا وَ لَا يَفْتَنُ	یقیناً کچھ گمان گناہ ہوتے ہیں اور نہ تجسس کرو اور نہ غیب کرسے (کسی کے پوشیدہ عیب پر پردہ اٹانے والی بات کو جاننے کے بارے میں غیب تلاش کرنا کی کوکھ نہ ہے)
بَعْضُكُمْ بَعْضًا اَ يُبَيِّنُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ	تو آپس میں آپس کی کتابوں میں حافظ بغدادی سے لے کر حافظ ابن حجر تک لکھتے چلے آئے ہیں، لیکن اس کے باوجود کسی نے بھی ہشام کی صحیحین میں روایات کو مورد طعن نہیں بنایا۔
يَتَمَتَّعُونَ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ ۝۱۳	فوت شدہ؟ تم تو اس سے گناہ کرتے؟ اور ڈرتے رہو اللہ سے یقیناً اللہ بہت قبول کرنے والا ہوتا ہے تم والے (کو) غیبیت مردہ بھائی کا گوشت کھانا ہے کیونکہ مسلمان کی عزت، جان اور مال محترم ہیں وہ ان کی ہر بات کو اور ہر عمل کی طرح محترم ہیں)

مترجم و مفسر

پروفیسر قاری جاوید انور صدیقی
042-8407949, 0300-4779478
0321-4078346

ڈسٹری بیوٹرز
عبدالرحمن مجاہد 5/1 قذافی مارکیٹ
اردو بازار لاہور 042-7124800
امیر حمزہ مکتبہ اصحاب اللہ ریٹ چھل منڈی
اردو بازار لاہور 0321-8856146



دارالانکس ایک روڈ چوہدری چوک لاہور 7230549
اپنے فرجی مکتبہ سے رابطہ اور پکچاس روپے ڈاؤن پے کر ڈاکر حاصل کریں

کرکٹ

مریم خنساء رحمہا اللہ

کرکٹ اور مسلمان کھلاڑی

مذکورہ بالا بحث سے یہ حقیقت تو اچھی طرح ثابت ہوتی ہے کہ کرکٹ کے کھیل کا موجودہ ڈھانچہ ایسا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کھلاڑی اس میں حصہ لینا بھی چاہے تو ایسے ماحول میں رہنا اس کے لیے مشکل ہو جائے گا۔

آخر ایک مسلمان کھلاڑی اذان کی آواز سننے کے باوجود ادائیگی نماز کی بجائے کھیل میں کیسے مشغول رہ سکتا ہے؟ وہ رمضان المبارک کی ساعتوں میں عبادت کی بجائے لہو و لعب میں کیسے حصہ لے سکتا ہے؟ کرکٹ کے شائقین کی مخلوط معاشرے، لڑکیوں کی جملہ بازی، بے عملی اور بے راہ روی کی شاہراہوں پر گامزن ساتھیوں کی رفاقت اسے کیسے پسند آ سکتی ہے؟ مزید برآں ایسی قباحتوں سے بھرپور کھیل میں حصہ لے کر وہ تعاونِ گناہ کے جرم کا کیسے مرتکب ہو سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کے احکامات کی ان دنوں میں جس طرح تضحیک و توہین ہوتی ہے اس پر تو کسی کو پشیمانی نہیں۔ خواہ مخواہ ان خرافات کے ساتھ آئندہ کے لیے اللہ تعالیٰ کا مقدس نام نہ سنی کرنے کی راہ ہموار کی جا رہی ہے۔

”سونیا گاندھی نے اپنے بیان میں کہا کہ پاکستان پر ثقافتی حملہ کامیاب ہو چکا ہے۔ یوں اس نے اپنی ساس اندرا گاندھی کے اس اعلانِ جنگ کے نتیجے میں ہونے والی کامیابی کا اظہار کر دیا جو اس نے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں ہارنے کے بعد کیا تھا کہ ”پاکستانیوں سے ہتھیار کے بل پر جیتنا تو ناممکن ہے اب ہم انھیں ثقافتی مار دیں گے۔“

ہم بھول گئے کہ جب ہم نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی قوتِ لافانی کا سہارا لینے کی بجائے ۱۹۷۱ء کی جنگِ نور جہاں اور مہدی حسن کے گانوں

پر جیتنا چاہی تو منہ کی کھائی۔ اللہ تعالیٰ کے دین کا دامن چھوڑا تو نسلی اور علاقائی تعصبات کا گھن، ہمیں کھا گیا۔ ہندو کی ثقافتی یلغار کا دفاع کرنے کی بجائے ہم نے اس کا خیر مقدم کیا۔ افسوس تو ان لوگوں پر ہے جو سونیا گاندھی کے بیان سے عبرت حاصل کرنے کی بجائے یہ وضاحتیں کرتے پھر رہے ہیں کہ یہ بھارتی ثقافت تو نہیں ہماری اپنی سندھی اور پنجابی ثقافت کے نمونے ہیں گویا ہم اسلامی ثقافت اپنا کرا قبل کے شعر

چین و عرب ہمارا ، ہندوستان ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا
میں مذکورہ آفاقی نظریے کو اپنانے کی بجائے..... نسلی علاقائی ثقافت و تصورات کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے کی مکمل تیاری کر چکے ہیں۔

اس سے بھی بڑھ کر ہٹ دھرمی انھوں نے دکھائی، جنہوں نے اپنا الو سیدھا کرنے کی خاطر اسلامی تعلیمات کو توڑ موڑ کر پیش کرنے سے گریز نہیں کیا۔ سٹیج، ٹیلی ویژن اور فلم کے ۱۲ فنکاروں نے لاہور میں مشترکہ پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ ورلڈ کپ کے کچھل پر وگرا موں میں بھارتی ثقافت پیش کرنے کی بجائے پاکستانی ثقافت کو جدید تقاضوں اور میوزک سے ہم آہنگ کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔

اصغر ندیم سید نے کہا ”(چند لوگ مخصوص مقاصد) کے لیے پاکستانی ثقافت کا نام لے کر پاکستانی کچھرا اور فنکاروں کے ساتھ زیادتی و نا انصافی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ قص اسلامی تہذیب کا حصہ ہے اگر کوئی شخص کسی فنکار کے فن سے جذباتی ہو کر جھومتا ہے تو یہ فحاشی کے زمرے میں نہیں آتا۔“ [روزنامہ جنگ ۱۶ مارچ ۱۹۹۶ء]

”پاکستان کے ایک کثیر الاشاعت روزنامے نے ورلڈ کپ کے دوران پیش کیے جانے والے کچھ پر اعتراض کرنے والوں کا مذاق ایک

انوکھے طریقے سے اڑایا۔ اس نے ایک کارٹون شائع کیا جس میں مار دھاڑ، اور لوڈنگ، ٹریفک کی بھرمار، ناجائز تجاویزات، گندگی، تھوک پھینکتے ہوئے لوگ۔ No Parking کے سائن بورڈز کے ساتھ کھڑی ہوئی گاڑی، سرعام پیشاب کرتے ہوئے ایک آدمی، سڑک پر کوڑے کرکٹ کے ڈھیر، دیواروں پر چاکنگ کی بھرمار، ہڑتال اور اجتماع کے دیواروں پر لگے پوسٹرز، ٹانگے، کھلے مین ہول..... جیسی ناشائستہ اور بدتہذیبی کے آئینہ دار مناظر کی عکاسی کر کے نیچے لکھا تھا ”ثقافتی تقریبات میں نمبر ۲ کلچر دکھایا جا رہا ہے۔ ہمارا اصل کلچر یہ ہے.....“

[روزنامہ جنگ ۲۹ فروری ۱۹۹۶ء]

یہ سب کیوں؟

ہر ملک اپنا مخصوص پس منظر رکھتا ہے۔ جس میں اس کے مذہب، حالات، مزاج اور ماحول کا بھی گہرا دخل ہوتا ہے۔ اس ملک سے وابستہ ہر چیز میں اس کی مخصوص ثقافت کا رنگ ضرور جھلکتا ہے۔ مغرب کے لباس سے لے کر معاشرت، تعلیم، سیاست..... غرض ہر چیز میں اس کی ثقافت کا رنگ ضرور نظر آتا ہے۔ اس کے برعکس مشرق کسی نہ کسی طرح ہر دور میں اسلام سے وابستہ رہا ہے۔ لہذا ہمارے غیر ذمہ دارانہ طرزِ عمل کی گرد کی دیز تہہ جم جانے کے باوجود بھی مشرقی اطوار و تصورات سے اسلامی ثقافت ضرور جھلکتی نظر آئے گی۔ شرم و حیا، سادگی، وفاداری، حق گوئی اور اخلاص جیسی صفات جو مشرق کی علامت سمجھی جاتی ہے، دراصل اسلامی ثقافت ہی کا پرتو ہیں۔

کرکٹ ایک ایسا کھیل ہے جس نے اپنی آنکھ مغربی تہذیب کی گود میں کھولی، اس کی نشوونما تمام اخلاقِ حسنہ سے عاری قوم کے ہاتھوں میں ہوئی۔ لہذا اس کا مغربی ثقافت کے اثرات سے متاثر نہ ہونا ناممکن تھا۔ جوا، ہلڑ بازی، کھلاڑیوں کی ام الحباثت (شراب) سے تواضع، فحاشی اور دیگر قباحتیں اسے مغرب سے ورثے میں ملیں۔ جب اس کی آمد مشرق میں ہوئی تو لامحالہ اس کے لوازمات یا ذیلی اثرات بھی ہمراہ آئے۔ کسی غیر قوم کی مشابہت کرنے یا اس مخصوص ثقافتی تہواروں

یا علامتوں کو قبول کرنے سے ہمارے دین میں منع کیا گیا ہے۔ اتنی چٹنگی کردار انسانی مزاج کے حوالے سے مشکل ہے کہ دوسروں سے متاثر ہونے کی بجائے انھیں متاثر کیا جائے۔ اور ان کی چیز کو اپنے مخصوص ثقافتی پس منظر میں ڈھال لیا جائے۔ اس لیے غیر اقوام سے مشابہت پر یوں تہدید کی گئی۔

”من تشبه بقوم فهو منهم۔“ [مسند احمد]

”جو جس قوم کی نقالی کرے وہ اسی میں سے ہے۔“

کرکٹ مغربی کھیل ہے۔ مغربی اقوام کے لیے اس کے کھیلنے میں اشتراکِ فکری، اشتراکِ ثقافتی اور اشتراکِ مذہبی غرض ہر لحاظ میں کھیلنے سے کوئی عار نہیں، مگر ہمارے لیے جو دین اسلام سے وابستگی کے دعوے دار ہیں ایسے کھیل میں نام پیدا کرنا جو اسلامی حدود سے قدم قدم پر ٹکراتا ہو، باعثِ فخر نہیں، باعثِ شرم ہے۔ کرکٹ کے حق میں درج ذیل دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔

پاکستانی ثقافت کی عکاسی اور تعارف: کرکٹ کے حق میں سب سے بڑا جواز یہی پیش کیا جاتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا پاکستانی ثقافت اسی کا نام ہے جس کا مظاہرہ وہ اندرون ملک اور بیرون ملک کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے علم کے مطابق تو پاکستان کی بنیاد ہی کلمہ طیبہ پر رکھی گئی تھی۔ لہذا لازماً اس کی ثقافت بھی اسلامی ہی ہونی چاہیے۔ لیکن کھلاڑیوں کی نمائندہ اسلامی ثقافت سے ذرا مطابقت نہیں رکھتی۔ لہذا ملکی ثقافت کی عکاسی کیسی؟ اندرون ملک یہ جس ثقافت کی نمائندگی کرتے ہیں اس کی مثال ”وسیم اکرم“ کے کوکوں سے عیاں ہے۔ حالاں کہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

«لعن المتخنثین و المتخنثات» [بخاری، مسلم]

”عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں

کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت ہو۔“

بیرون ملک یہ پاکستانی ثقافت کی نمائندگی کا فریضہ کیسے شاندار انداز میں انجام دیتے ہیں اس کے لیے درج ذیل خبر ہی کافی ہوگی۔

”انضمام الحق نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ کوارٹر فائنل

سے پہلے ایک فنکشن میں ڈانس کرنے والی تصویر ورلڈ کپ کی افتتاحی تقریب (کلکتہ) میں ہول کی ہے، جب کہ معروف بھارتی گلوکارہ آشا بھوسلے نے کھلاڑیوں کی خواہش پر پاکستان کا ایک ملی نغمہ سنایا تو کھلاڑیوں نے لڈی ڈالی۔ تصویر میں نمایاں خاتون ٹیم منیجر (انتخاب عالم) کی اہلیہ ہیں۔“ [روزنامہ جنگ ۱۷ مارچ ۱۹۹۶ء]

جہاں تک ملک کے تعارف کا تعلق ہے تو کیا علم ”سائنس“ ایجادات یا صنعت و تجارت میں نام پیدا کر کے ملک کا تعارف نہیں کرایا جاسکتا۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے ملک کے تعارف اور نام روشن کرنے کے ذمہ دار صرف فلم ستار اور سپر ستار ہی رہ گئے ہیں؟

ترقی یافتہ ممالک کے شانہ بشانہ کھڑے ہونے کی خواہش: ایک جواز یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ کھیل میں نام بنا کر ہم ترقی یافتہ ممالک سے روابط میں استحکام کے ساتھ ان کے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہونا چاہتے ہیں، اس کی حقیقت جاننے کے لیے تھوڑی دیر کے لیے مغربی اقوام کے پاکستانی کھلاڑیوں کے ساتھ رویے ہی پر غور کرنا کافی ہوگا۔ کیا پاکستانیوں کے مغربی ممالک میں جانے پر وہ دلوں میں ان کے لیے حقارت اور نفرت کے پوشیدہ جذبات ختم کر دیتے ہیں؟ کیا انھیں وہی پروٹوکول یا اہمیت دیتے ہیں جو وہ اپنی ہمسایہ مغربی ٹیموں کو دیتے ہیں؟ آسٹریلیا اور برطانیہ کے عوام بلکہ کھلاڑیوں میں بھی موجود احساس تفاخر کھیل کے میدان میں بار بار ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ ایسی صورت حال کے پس منظر میں کھیلوں کی اس حکمت پر بھی نظر ثانی ہونی چاہیے اور ترقی یافتہ بننے کے لیے دوسرے ذرائع اختیار کرنے چاہئیں۔ غازیانہ، مجاہدانہ، مدافعانہ اور شجاعت آموز کھیل اپنانے چاہئیں۔

خیر سگالی کا فروغ: کہا جاتا ہے کہ مختلف ممالک میں جا کر کھیلنے سے خیر سگالی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اس کھیل کو واقعی ایک کھیل سمجھنے والے تو اس غلط فہمی کا باسانی شکار ہو سکتے ہیں مگر موجودہ دور میں کھیل کو جس طرح سیاست نے اپنے پنجوں میں جکڑ رکھا ہے اس کے تناظر میں مخالف ملک کھیل کے میدان میں بھی اپنی دشمنی کا اظہار کرنے سے نہیں

چوکتے۔ یوں نفرت کے الاؤ مزید بھڑکتے ہیں ان پر خیر سگالی کا پانی نہیں پڑتا۔ اگر خیر سگالی ٹیسٹ میچوں ہی پر موقوف ہوتی تو ہمارے تعلقات بھارت سے کب کے سدھر چکے ہوتے۔

باہمی تجارت کا فروغ: کہا جاتا ہے کہ کرکٹ کے ذریعے باہمی تجارت کو فروغ ملتا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ باہمی تجارت کا ایک یہی ذریعہ باقی رہ گیا ہے، ایسی تجارت کی پشت پناہی جو اپنے دامن میں اتنی ساری قباحتیں سمیٹ کر لاتی ہو ملک و قوم کے لیے کہاں تک درست ہو سکتی ہے؟ بقول اقبال ہمارا نظریہ تو یہ ہونا چاہیے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی ممکن ہے کرکٹ کے شائقین کی نظر میں اس کے فوائد کے کچھ مزید پہلو بھی ہوں جن کی روشنی میں وہ اسے برانہ سمجھتے ہوں۔ لیکن ایک ایسی چیز کو جو فائدوں کی نسبت نقصانات کا مجموعہ زیادہ ہو، اسلامی ثقافت کے حوالے سے ترک کرنا ہی بہتر ہوگا۔ یوں بھی اس کے بنیادی لوازمات مثلاً وسیع اخراجات کی طلب گار چچ، ہر اوور کے بعد بدلا جانے والا گیند وغیرہ کا اسراف اسلامی اصولوں سے قطعاً مطابقت نہیں رکھتا۔ اس لحاظ سے کرکٹ کی موجودہ صورت کی اصلاح ناممکن نظر آتی ہے۔

دین اسلام نے شراب اور جوئے کی حرمت کے سلسلے میں ایک ایسا شان دار اصول وضع کر دیا کہ اس کی روشنی میں ہم آج بھی ایسی کئی چیزوں کے متعلق خود فیصلہ کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کے کچھ فائدوں کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِنَّهُمْ اَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهَا﴾ [البقرة]

”ان دونوں کا گناہ ان کے فوائد کی نسبت بڑا ہے۔“

لہذا ایسی چیزیں جن میں شرکی نسبت خیر کا پہلو کم نکلتا ہو ترک کیے جانے کے قابل ہیں نہ کہ قابل قبول۔

لحہ فکر یہ

کیا کبھی ہم نے اس پہلو پر بھی غور کرنے کی زحمت گوارا کی کہ

سرفہرست ہے۔

آپ کی سنت سے کٹ کر جتنا بھی آگے بڑھے
آنکھ کھولی ، ذہن چونکا ، ارتقاء معکوس تھا



اعلانات

①..... قاری رفیع الدین قمر صاحب (قصور) کی ہمیشہ محترمہ
۱۰ ارماریج کو وفات پا گئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون
احباب جماعت سے مرحومہ کی مغفرت کے لیے دعاؤں کی
درخواست ہے۔

②..... قاری محمد ابراہیم کاظم قصوری گزشتہ دنوں سے بعارضہ
قلب علیل ہیں۔ احباب تمام بیماروں کی صحت کے لیے دعا فرمائیں۔
[حکیم محمد یحییٰ ڈاھروی، کوٹ رادھاشن]

آخر اٹلی، امریکا، جاپان، فرانس، جرمنی، ترکی، ایران جیسے ترقی یافتہ اور
وسائل رکھنے والے ممالک اس کھیل میں حصہ کیوں نہیں لیتے؟ جرمنی
نے اس پر کیوں پابندی لگا رکھی ہے؟

مغرب کے جن ممالک میں یہ کھیل کھیلا جاتا ہے وہاں کے لوگوں
کی اس سے پاگل پن کی حد تک وابستگی تو سمجھ میں آتی ہے کہ ان کی نظر
میں ”زندگی زندہ دلی کا نام ہے“ کے فلسفے سے عبارت ہے، آخرت میں
ان کا کوئی حصہ نہیں۔ لہذا وہ اپنی ناپائیدار مسرتوں کے ہنڈولے میں
جھولنے کو ہی اپنی کل کائنات سمجھتے ہیں۔ مقصد زندگی ان کے سامنے
واضح نہیں۔ مگر مسلمان اس کھیل میں اس قدر کیوں کھو گئے؟ کہیں یہ
مغرب کی مسلمانوں کی زندگی کے سنجیدہ حقائق سے ہٹا کر کھیل ہی کی
طرف راغب کر دینے کی مغربی سازش تو نہیں۔ ذرا یہودی خفیہ تنظیم فری
میسن کے پروٹوکول کی درج ذیل عبارت ملاحظہ ہو:

”اس خطرے کے پیش نظر کہ مبادا لوگ اس بات کا اندازہ
کر لیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں ہم ان کی توجہات، کھیل تماشے،
تفریحات، بے لگام جذبات اور عوامی محلات کی طرف پھیر
دیں۔ پھر ہم جلد ہی پریس کے ذریعہ آرٹ اور کھیلوں کے
مقابلہ کی تجاویز پیش کریں گے۔ اس قسم کی دلچسپیاں ہمیشہ کے
لیے ان کی توجہات کو ان مسائل سے ہٹا دیں گی جن کی مخالفت
کرنے پر ہم مجبور ہوں گے۔“

[پروٹوکول نمبر ۱۳ بحوالہ فتنہ یہود، عنصر صابری]

یہودی اسلام دشمنی کے حوالے سے یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ
انہیں مسلمانوں کی طرف سے سب سے بڑا خدشہ یہی رہتا ہے کہ کہیں وہ
ان مسائل کی طرف توجہ نہ دینے لگیں جن کے حل سے وہ دوبارہ اپنی
عظمت گم گشتہ حاصل کر سکتے ہیں۔ کاش ہم دشمن کی اس سازش کو بھانپ
کر لہو ولب سے کنارہ کشی اختیار کر لیں۔ اپنی ملی زندگی کے ان مسائل
کی طرف توجہ دیں جو ہمیں دوبارہ عروج کی بلندیوں پر پہنچانے کی
ضامن ہیں۔ اس ضمن میں اپنی تہذیب و ثقافت کی طرف مراجعت

اپریل فول! اسلامی نقطہ نظر

مذاق کے ذریعے عارضی طور پر کسی کو پریشان کرنا اور خود اس کا تماشا دیکھنا شرعاً منع اور حرام ہے

ڈاکٹر حافظ عبد الرشید اظہر

نظریاتی لکیریں مٹانا اور جغرافیائی سرحدوں کو غیر محفوظ بنانا ان کا محبوب مشغلہ ہے اس سب پر مستزاد میڈیا کی مادر پدر آزادی ہے، اللہ و رسول ﷺ دین و ملت، انسانی اقدار، خاندانی وقار اور وطن عزیز کی نظریاتی حدیں، الغرض کہ کوئی شے بھی ان کے دست ستم کیش سے محفوظ نہیں۔

این جی اوز کی روز افزوں پراسرار بلکہ سر بازار سرگرمیوں کی بدولت دین دار اور اہل علم کی آواز کو بیکار اور بے وقار کر دیا گیا ہے، انتشار پیدا کرنے اور برائی پھیلانے والی قوتوں کو سرکاری سرپرستی اور حمایت بھی حاصل ہے اور دینی قوتوں کے خلاف پوری حکومتی مشینری سرگرم عمل ہے، غالباً انہی بدترین حالات کی وجہ سے ملک و قوم گونا گوں مصائب و مشکلات کا شکار ہے، خصوصاً زلزلہ کے بعد کی صورت حال نیز حالیہ خانہ جنگی کی کیفیت سیاسی عدم استحکام، عدالتی بحران اور معاشی ابتری و بد حالی نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے، اور غیر ملکی مالیاتی اداروں کے دباؤ پر مہنگائی کا عفریت بھی خوف ناک شکل اختیار کر چکا ہے، اس کے باوجود کسی سطح پر بھی اللہ کی طرف رجوع اور نیکی کا رجحان نہیں ہے یہ صورت حال نہایت افسوس ناک ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾

”ترقی اور خشکی میں فساد برپا ہو چکا ہے اور یہ سب کچھ لوگوں کے اپنے کیے دھڑے کا نتیجہ ہے (اللہ اس لیے ایسا کرتے ہیں) تاکہ لوگوں کو ان کے اعمال کا کچھ مزہ چکھا دیں تاکہ لوگ اللہ کی طرف رجوع کریں۔“ [الروم: ۴۱]

آپ دیکھ رہے ہیں کہ بسنت اور جشن بہاراں کے بے ہنگم شور و غوغا اور طوفان بدتمیزی نے اس قدر ہمارے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا

امت مسلمہ اور پاکستانی قوم خصوصاً جس تیزی سے اپنے دینی اور اسلامی تشخص سے بیگانہ ہو رہی ہے اور اپنی تہذیبی اقدار اور ثقافتی روایات (جو اکثر عبادات ہیں) سے دوری اختیار کر رہی ہے اس سے اہل فکر و دانش کو سخت تشویش لاحق ہے، مغربی معاشرت سے مرعوب نقالی کا شوقین اور احساس کمتری میں مبتلا غیر ملکی تعلیم کا دلدادہ طبقہ قومی و اسلامی اخلاقی اقدار سے جان چھڑانے کو ہی ترقی کا زینہ سمجھتا ہے۔ ان کے دین و مذہب سے بیزار مسیحی آقاؤں نے اپنے تجربہ کی روشنی میں انھیں یہی سکھایا ہے کہ دنیوی ترقی کا راز ترک دین میں ہی ہے، اسی لیے اب یہود و ہنود کی پیروی ہمارے ہاں فیشن بنتی جا رہی ہے، جب کہ دین و شریعت کی پابندی اور سیرت رسول کی اتباع انتہا پسندی ٹھہری ہے، تحفظ حقوق نسواں کے نام سے ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی تذلیل، اپنے جگر گوشوں اور نوجوانوں کو بے راہ روی کی تعلیم کے لیے پوری سرکاری مشینری مصروف کار ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ [النور: ۱۹]

”اور جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی پھیلے ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔“

جب کہ دوسری طرف وطن عزیز کی مخالف قوتیں پاکستان کے وجود کی نفی کرنے اور اسے ایک ناکام ریاست ثابت کرنے کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ ان پڑھ اور بے روزگار لوگوں کی کثرت ہونے کی وجہ سے ہر کسی کو ہر قسم کے کام کے لیے ہر جگہ تماشا شائی وافر مقدار میں مل جاتے ہیں، عریانی و فحاشی اور بے حیائی کو فحاشی کا نام دے کر فروغ دینے والا ایک مستقل طبقہ بھی ہمارے ہاں موجود ہے جو وقفاً وقفاً غیر ملکی ثقافتی طائفوں کے ذریعے دو قومی نظریے کی جڑیں کاٹنے میں لگا رہتا ہے اور اس کے لیے کوئی موقع ضائع نہیں کرتا،

ہے اور نئی نسل کے نوجوان مرد و خواتین نے اس قدر حیا سوز کردار پیش کیا ہے۔ کتنے ہی بے گناہوں کا خون بہانے اور معصوم بچوں کی گردنیں کٹانے کے بعد ہمارے لبرل اور ماڈرن اسلامی مملکت کے اصحاب اقتدار و اختیار بھی بالآخر ان حیا سوز حرکات پر چیخ اٹھے ہیں۔ اس کے بعد اب اپریل فول کی خوں بد پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے گی جس کے بہانے لاکھوں جھوٹ بولے جائیں گے، ہزاروں دھوکے ہوں گے اور ایک دن کے لیے پھر قوم اپنے آپ کو بیوقوف اور احمق تسلیم کر کے اپنی قومی و دینی شرافت و نجابت اور اسلامی تہذیب و ثقافت کا جامہ شرم و حیا تار تار کرے گی۔ الامان والحفیظ

اسلامی نقطہ نظر سے اس رسم بد کا نہ صرف یہ کہ کوئی جواز نہیں بلکہ قرآن و سنت کی رو سے متعدد ذراویوں سے اس کی حرمت واضح ہوتی ہے، اس پر ایک سے زیادہ دلائل کی رو سے حرمت کا حکم لگتا ہے:

①..... یہ غیر مسلم اقوام کی عادت و روایت ہے اور ایسے مسلمان جو غیر مسلموں کی نقالی کرتے ہیں اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں انھیں جناب رسالت مآب ﷺ نے غیر مسلموں میں سے قرار دیا ہے:

”عن عُبَيْدِ اللَّهِ بنِ عَمْرِو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «بُعِثْتُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ بِالسَّبِيفِ حَتَّى يُعْبِدَ اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَجُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي، وَجُعِلَ الدُّلَّ وَالصَّغَارُ عَلَى مَنْ خَالَفَ أَمْرِي وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ» [رواه أحمد]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں قیامت سے پہلے تلوار دے کر بھیجا گیا ہوں تاکہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے بلا کسی شریک، میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے رکھا گیا ہے جو میرے دین کی مخالفت کرنے ذلت و حقارت اس کا مقدر بنادی گئی ہے اور جو شخص کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ انھیں میں سے ہے۔“

②..... اس رسم بد کی بنیاد جھوٹ پر ہے جس کی اسلام میں کسی صورت بھی اجازت نہیں ہے بالخصوص ایسا جھوٹ جس کے نتیجے میں متعدد جانیں بھی ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ سیرۃ طیبہ نبویہ کا طرہ امتیاز ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی ہنسی مذاق میں بھی جھوٹ نہیں بولا، آپ کا مزاح بھی حکمت و دانائی اور سچ پر مبنی ہوتا تھا، روزمرہ اور عام جھوٹ کے بارے میں تو کسی وضاحت کی

ضرورت نہیں ہے، زندگی کے مسائل اور ایمانیات کو غیر سنجیدگی سے لینے کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَيْسَ سَأَلُهُمْ لِيَقُولُوا إِنَّمَا كُنَّا نَخُو ضُ وَنَلْعَبُ ط قُلْ أَلَا لِلَّهِ الْإِيتَهُ وَرَسُولُهُ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ﴾ [التوبة: ۶۵]

”اور اگر ان سے پوچھو (کہ تم کیا کر رہے تھے) تو فوراً بولیں گے کہ ہم تو ہنسی مذاق اور دل لگی کر رہے تھے، ان سے کہو کیا تمہاری ہنسی اور دل لگی اللہ، اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ ہی ہو سکتی ہے؟“

سب کو معلوم ہے کہ اس قسم کے مواقع پر ان غیر سنجیدہ اور بیہودہ لوگوں کے مذاق کا اہم ہدف دین، اس کی تعلیمات اور اس کے شعائر ہی ہوتے ہیں، اہل ایمان اور دین دار طبقے کا مذاق اڑانا، انھیں تحقیر سے دیکھنا، انھیں طعن و ملامت کا نشانہ بنانا دنیا کے دوں کی جھوٹی مسرتوں کے جنون کا شکار و پاش نوجوانوں کا محبوب مشغلہ ہے ہمارا بزمِ خویش پڑھا لکھا طبقہ جو حقیقت میں جاہلیت کا نمائندہ ہے ان کی حوصلہ افزائی اور پشت پناہی کو ہی اپنی ترقی پسندی کی علامت سمجھتا ہے، اہل ایمان کے لیے یہ طرز عمل کوئی نیا نہیں ہے ہر دور میں آوارہ مزاج لوگوں کا یہی طریقہ رہا ہے، مذکورہ آیت مبارکہ میں عہد نبوی کے ایسے ہی دین بیزار اور ترقی پسند منافقین کا ذکر ہوا، فرمایا:

﴿قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنْتُمْ يَوْمَ فَكُونُ﴾ [المنافقون: ۴]

”اللہ انھیں غارت کرے کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔“

③..... اس کی تیسری اہم بنیاد دھوکا ہی ہے، اور اس کے بارے میں حضور ختمی مرتبت ﷺ نے واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا: ”جو شخص دھوکا کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

”عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من غشنا فلیس منا۔“

[رواه مسلم وأبو داود والترمذی وابن ماجہ]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ہم سے دھوکا کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کسی سے اظہار برائت اور اعلان لا تعلقی اس شخص کی بہت بڑی بد بختی ہے، اور جب پوری قوم اپنے طرز عمل سے یہ بد بختی سمیٹ رہی ہو تو اس کے لیے ہدایت کی دعا ہی کی جاسکتی ہے۔

⑤..... اپریل فول کی بدترین روایت کے ذریعہ وقتی اور عارضی طور پر لوگوں کو پریشان کیا جاتا ہے، مذاق کے ذریعے عارضی طور پر کسی کو پریشان کرنا اور خود اس کا تماشا دیکھنا شرعاً منع اور حرام ہے، ابوداؤد اور ترمذی میں ہے کہ صحابہ کرام نبی ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے ایک شخص نے دوسرے کی رسی اٹھالی وہ سو رہا تھا بیدار ہو کر اسے گھبراہٹ اور پریشانی لاحق ہوئی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُوْثِقَ مُسْلِمًا» [ابوداؤد: ۵۰۰۴]

”مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو خوف زدہ کرے یا پریشانی میں مبتلا کرے۔“

دوسری روایت میں ہے:

«لَا يَأْخُذَنَّ أَحَدُكُمْ مَتَاعَ أَخِيهِ لَا عِيًا وَلَا جَادًا فَمَنْ أَخَذَ

عَصًا أَخِيهِ فَلْيَرُدُّهَا - [ابوداؤد: ۵۰۰۳]

”کوئی شخص اپنے بھائی کا سامان مذاق یا سنجیدگی سے (بلا اجازت) نہ اٹھائے، حتیٰ کہ اگر کسی نے اپنے بھائی کی چھڑی بھی چھپائی ہے تو اسے واپس کر دے۔“

بظاہر یہ چھوٹے چھوٹے مذاق ہیں مگر رسول اکرم ﷺ پر اہل ایمان کی معمولی سی پریشانی بھی گراں گزرتی تھی اس لیے آپ نے صراحت کے ساتھ اس سے منع فرمادیا، اپریل فول کے حوالے سے بڑی بڑی بدترین اور تکلیف دہ حرکتیں کی جاتی ہیں، جو حدیث میں وارد ”لَا يَحِلُّ“ کے لفظ کی رو سے حرام ہیں، آیات، صحیح احادیث اور ان سے خامو مذکورہ دفعات کی روشنی میں اپریل فول کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر بالکل واضح ہو جاتا ہے، اہل علم و دانش کو اس بارے میں قومی تربیت کا اہتمام کرنا چاہیے اور سرکاری میڈیا پر بالخصوص اس کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے اور عام طور پر اہل فکر و نظر کو چاہیے کہ قوم کو عذابوں سے بچانے کی فکر و تدبیر کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین پر چلنے کی توفیق بخشے، شیطان اور اس کی ذریت کے مکر و فریب سے محفوظ رکھے، آمین۔

دوسری طرف اصحاب فکر و فہم اور اہل تقویٰ ایمان اور سنجیدہ طبقے کو اپریل فول کی حماقتوں، نالائقیوں اور بدتمیزیوں میں کسی طرح کی کوئی شرکت نہیں کرنی چاہیے، عملی طور پر، تماشائی کی حیثیت سے، اور نہ ہی خاموش تماشائی کے طور پر بلکہ پوری ہمت اور اہتمام سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر کے رضائے الہی کے حصول کا سامان کرنا چاہیے، اور بے

مقصد کڑھنے اور بے جا بحث و جدل اور احساس کمتری کا شکار ہونے کی بجائے ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق اعراض اور ”مرور کرام“ کی پالیسی اپنانی چاہیے، فرمایا:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خُشْعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ﴾

”یقیناً ایمان والوں نے فلاح حاصل کر لی جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں، جو لغویات اور بیہودہ باتوں سے منہ موڑتے رہتے ہیں۔“ [المؤمنون: ۱-۳]

نیز فرمایا:

﴿وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾

”آپ درگزر کو اختیار کریں، نیک کام کی تعلیم دیں اور جاہلوں سے اعراض کریں۔“ [الاعراف: ۱۹۹]

اہل ایمان کے اوصاف حمیدہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ ۚ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا﴾ [الفرقان: ۷۲]

”اور یہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب کسی لغو چیز پر ان کا گزر رہوتا ہے تو شرافت سے گزر جاتے ہیں۔“

قرآنی تعلیمات پر مبنی یہ خوب صورت اور باوقار طرز عمل ہر بیہودہ اور فضول رسم پر اپنانا چاہیے، اس میں عزت و احترام ہے، اصلاح کا ایک طریقہ ہے اور ان فضولیات کی تحقیر و تذلیل بھی ہے۔

﴿إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾

❀.....❀❀❀

سالانہ اہل حدیث کانفرنس

خطیب پاکستان حضرت مولانا محمد حسین شیخ پوری رحمہ اللہ کے مدرسہ محمدیہ اہل حدیث کا بنیاد والاضلع شیخ پورہ میں سالانہ اہل حدیث کانفرنس ۳۰ مارچ کو ہوگی۔ خطبہ جمعہ مولانا عبداللہ نثار صاحب پڑھائیں گے۔ بعد نماز عشاء مولانا عبدالعزیز راشد، مولانا منظور احمد کا خطاب ہوگا۔

[حافظ (عطاء الرحمن شیخ پوری)]

نعتیہ رباعیات

①

وہ شعر تھا مرغوبِ رسولِ عربی جس میں نہ ہو آمیزشِ شرک و شرکی
آتا ہے اُمیہ بنِ اَبی الصَّلْتِ پر شک قَالَ هُوَ عِنْدَ كُلِّ بَيْتٍ زَائِلٌ!

②

اس ناقد فن کا ہوں غلامِ بے دام بھیجوں اسے ہر آن تحیات و سلام
سن کر شعرِ سُوید بنِ عامر جو کہتا ہے: وَلَوْ أَدْرَكَ هَذَا الْإِسْلَامُ!

③

کہتا ہے جو ہے عدلِ مجسم وہ نبی دُر ہے: سَتَرُونَ أَثَرَةَ مَنْ بَعْدِي
قویں ہوں سفارش و تعصب سے تباہ رکھتی ہے اثرِ زہر کا جنبہ داری!

④

اف تک نہ کیا جس نے کہ خادم کو کبھی پر خندہ يُجِيبُ دَعْوَةَ الْمَمْلُوكِ
لایا جو مساوات و اخوت کا پیام ہے محسنِ انساں وہی مکی مدنی!

⑤

ہے دُرِّ یتیم مکہ محبوبِ خدا نیست اقوالش إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى
ہے دعویٰ الفت تو کرو پاسِ حدود مَا حَلَّ خُذُوهَا وَدَعُوا مَا حَرُمًا!

⑥

واگربِ ابتاہ! سنا تو بولے: ”لَا كَرَبَ عَلَىٰ أَبِيكَ بَعْدَ الْيَوْمِ!“
پرواز کرے رُوحِ محمدؐ خالد اَللّٰهُمَّ الرَّفِيقَ الْاَعْلٰی: کہہ کے!